سلسلہ مطالعہ سیرت

مُطالعہ سیرت کے بنیادی اُصول

شیخ الاسلام ڈاکٹر مُحمد طاہرالقادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

مطالعۂ سیرت

کے

بنیادی اُصول

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

تحقیق و تدوین:

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

بسم الله الرحمن الرحيم

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ
مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ
وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

﴿ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ ﴾

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔ا) ۴-ا/ ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل و ایم ۴/ ۹۷۰-۳-۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔ا/ اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت/ اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱/ ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

نام کتاب	:	مطالعۂ سیرت کے بنیادی اُصول
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تحقیق و تدوین	:	ڈاکٹر طاہر حمید تنولی
تخریج	:	محمد ضیاء الحق رازی
زیرِ اِہتمام	:	فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	ستمبر 2006ء
تعداد	:	1,100
قیمت اِمپورٹڈ کاغذ	:	50/- روپے

❁ ❁ ❁

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو، ویڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

sales@minhaj.biz

فہرس

پیش لفظ

اسلام کی شانِ اِمتیاز یہ ہے کہ یہ محض تعلیمات پر مشتمل نہیں بلکہ اپنی تعلیمات کے عملی نمونہ اور عملی مظاہر کا حامل بھی ہے۔ سیرتِ نبوی کو امت مسلمہ کے لیے نمونہ کامل قرار دے کر اسلام کی تعلیمات کے عملی نمونہ ہونے کی ضرورت کو پورا کر دیا گیا ہے۔ تاریخ انسانی میں یہ امتیاز صرف حضور نبی اکرم ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ ﷺ کی انفرادی، معاشرتی اور قومی زندگی کا ایک ایک لمحہ محفوظ اور اہل ایمان کے لئے مینارہ نور کی صورت میں موجود ہے۔ آپ کی سیرت طیبہ پر تاریخ میں سب سے زیادہ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے۔ آپ ﷺ کے سیرت نگاروں کی فہرست میں مسلم اور غیر مسلم تمام مصنفین شامل ہیں۔ ہر دور اور ہر خطہ کے اہل علم نے اپنی بساط کے مطابق آپ ﷺ کی حیات طیبہ پر لکھنے کی سعادت حاصل کی۔

ابتدائے اسلام سے ہی جب علم حدیث کی تدوین کا آغاز ہوا تو حضور نبی اکرم ﷺ کے غزوات پر فن مغازی کے تحت کئی کتب تصنیف کی گئیں۔ فن سیرت کے امام اوّل امام زہری کے تلمیذ محمد بن اسحاق بن یسار ہیں۔ ابن اسحاق نے سیرت نگاری کو ایک مستقل فن کی حیثیت دی۔ امام بخاری نے اپنی کتاب الغزوات کا آغاز ان ہی کی روایت سے کیا۔

مغیرہ بن عبدالرحمٰن کی روایت کے مطابق مغازی کی سب سے پہلی کتاب خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابان بن عثمان نے مرتب کی تھی۔ مغازی کے موضوع پر ابتدائی لکھنے والوں میں عروہ بن زبیر، واقدی، طبری، محمد بن مسلم بن عبید اللہ زہری، معمر بن راشد، شرجیل بن اسد، عاصم بن عمر قتادہ اور موسیٰ بن عقبہ جیسے جلیل القدر

مصنفین شامل ہیں۔ موسی بن عقبہ کا اصل نسخہ اب بھی پروشین اسٹیٹ لائبریری میں محفوظ ہے جو جرمن ترجمے کے ساتھ ۱۹۰۴ء میں شائع ہوا تھا۔ سیرت نگاری کا یہ سلسلہ ہر آنے والے دور میں بڑھتا رہا اور آج تک تقریبا دنیا کی ہر زبان میں لاتعداد کتب سیرت تصنیف ہو چکی ہیں۔

سیرت نگاری کی تاریخ کا یہ جائزہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ تا حال سیرت پر لکھی جانے والی جملہ کتب کا موضوع ''کیا؟'' تھا۔ جب کہ دورِ حاضر کے چیلنجز اور ضروریات کا تقاضہ یہ ہے کہ توضیح سیرت کی جہات کو وسیع کیا جائے اور سیرت کے بیان میں ''کیا؟'' کے ساتھ ساتھ ''کیوں؟''، ''کیسے؟'' اور ''کس لیے'' کو بھی شامل کیا جائے۔ اسلام کے ابتدائی دور کے برعکس آج ملت اسلامیہ کو احیاء اصلاح اور حصول غلبہ وتمکن کا چیلنج درپیش ہے۔ لہٰذا اس دور میں سیرت نگاری کا تقاضہ یہ ہے کہ ماسبق کتب سیرت کی طرح صرف حالات و واقعات کو ہی نہ بیان کیا جائے بلکہ سیرت کی روشنی میں مذکورہ چیلنجوں سے عہدہ برآ ہونے کہ سبیل بھی تلاش کی جائے۔

حضرت شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کی زیرنظر تصنیف میں دور جدید کے چیلنجوں اور ضروریات کو سامنے رکھ کر سیرت نگاری اور فہم سیرت کے لئے ان اصولوں کو بیان کیا گیا ہے جن کے روشنی میں ہم سیرت کی تعلیمات کی عملی، اطلاقی اور عصری اہمیت سے شناسا ہو سکتے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام کی یہ تصنیف سیرت نگاری کے میدان میں نئی جہات کے تعارف اور اضافہ کا باعث بنے گی۔

(ڈاکٹر طاہر حمید تنولی)
ناظمِ تحقیق
تحریکِ منہاجُ القرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضور نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لئے ہدایت کا آخری سرچشمہ بنا کر بھیجا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت اور بعثت ایک نئے دور کا آغاز اور تاریخ کی ایک نئی جہت کا تعین تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ہم تاریخ میں آپ ﷺ سے پہلے اور بعد کے زمانوں کا تقابل کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد انسانیت کلیتاً ایک نئے دور میں داخل ہو گئی۔ ایک ایسا دور جس میں شعور، آگہی، تہذیب، کلچر اور اعلیٰ انسانی اقدار کے فروغ، قیام اور استحکام کے وہ نظائر ملتے ہیں جن کا نہ صرف آپ کی آمد سے قبل وجود نہ تھا بلکہ اُن کا تصور بھی مفقود تھا۔ یہ سب ختمِ نبوت کا وہ ازلی اور ابدی فیضان تھا جو آپ ﷺ کی بعثت کے بعد آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کے ذریعے عالم انسانیت میں جاری و ساری ہوا۔ لیکن آپ ﷺ کی سیرت کے حوالے سے رہنمائی اور اخذ فیض کے جو مناہج بطور امت ہمیں اپنانے چاہیے تھے وہ اپنائے نہ جا سکے۔ ملتِ اسلامیہ جب ایک ہزار سال تک دُنیا بھر میں مقتدر رہنے کے بعد زوال کا شکار ہونا شروع ہوئی تو جہاں زندگی کے دیگر شعبے زوال اور پستی کا شکار ہوئے وہاں دین کے مختلف شعبوں خصوصاً سیرت الرسول ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلق اور فہم کے حوالے سے بھی زوال کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ سیرت کے ساتھ تعلق کے باب میں زوال کے اثرات پچھلی دو تین صدیوں میں سامنے آئے۔ ان میں نمایاں ترین پہلو اُمت مسلمہ کا قلبی اور عملی طور پر سیرت سے ہٹ جانا اور فکری سطح پر سیرت الرسول ﷺ کے حقیقی فہم سے عاری ہونا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف ملتِ اسلامیہ کی اپنی انفرادی، اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی زندگی میں سیرت کا فیضان کما حقہ جاری نہ رہا بلکہ عالمی سطح پر اُمت اجابت تک بھی سیرت اور اِسلام کا پیغام کما حقہ نہ پہنچایا جا سکا۔

اِسلام کی تعلیمات اور سیرت کے ساتھ عملی اور زندہ تعلق کے کٹ جانے سے ملتِ اِسلامیہ کی ہئیت اجتماعی پر درج ذیل اثرات مرتب ہوئے:

۱۔ ملتِ اِسلامیہ کے عقائد اوہام میں بدل گئے اور اعمال مجرد رسموں میں ڈھل گئے جس کی وجہ سے ان کی زندگی میں عقائد اور اعمال کی تاثیر ختم ہوگئی۔

۲۔ عالمِ اِسلام کے زوال پر معاشرے میں مذہبی اور روحانی اقدار بتدریج زوال کا شکار ہوتی چلی گئیں۔

۳۔ اس زوال پذیری کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم معاشرے میں ایمانی حقائق اور روحانی اقدار کی جگہ مادہ پرستی اور مادی فکر نے لے لی۔

۴۔ مذہب سماجی زندگی سے کلیتًا کٹ گیا اور دُنیا کی زندگی کی بجائے صرف آخرت کی زندگی کا مسئلہ ہو کر رہ گیا۔ لہٰذا اعمال کی انجام دہی کا مقصد دُنیا کی زندگی کی ہمہ گیر اصلاح کے بجائے محض آخرت میں ثواب اور جنت کا حصول رہ گیا۔

۵۔ ایمان، عقیدہ اور اسلام کے بنیادی تصورات کے مسخ ہو جانے کے سبب سے عملی زندگی میں اسلام کے مؤثر ہونے کا تصور دھندلا ہوتا چلا گیا اور نسلِ نو مستقبل کے حوالے سے اسلام کے مؤثر اور قابلِ عمل ہونے سے مایوس ہونے لگی۔

۶۔ دورِ زوال میں جب ہر طرف باطل کے غلبے کا منظر نظر آنے لگا تو اہلِ اسلام میں اسلام کی حتمی اور قطعی نتیجہ خیزی کا یقین ختم ہو گیا اور وہ باطل کے مقابلے میں اسلام کے دوبارہ احیاء، فروغ اور اس کے غلبے کی بحالی کے بارے میں متشکک و متزلزل ہوتے چلے گئے۔

۷۔ مسلمانوں کا مستقبل میں اپنے احیاء کی نسبت اعتماد کلیتًا ختم ہو گیا۔

۸۔ ایمان اور اسلام کے بطور مؤثر عنصر حیات کی تاثیر کم ہو جانے کے سبب سے اسلام کی وحدت کا شیرازہ جغرافیائی، نسلی، لسانی، طبقاتی، گروہی اور فرقہ وارانہ وفاداریوں کا شکار ہو کر منتشر ہو گیا۔

۹۔ اسلام کے مذہبی، سیاسی، معاشی، ثقافتی اور تعلیمی ادارے جو سرا سر تخلیق اور انقلاب کے آئینہ دار تھے کلیتاً جمود کی لپیٹ میں آ گئے۔

۱۰۔ اندریں حالات اہل اسلام، اسلام کے عالمگیر غلبہ وتمکن کی خاطر مثبت انقلابی پیش قدمی کی بجائے اپنی حفاظت اور دفاع کو ہی اصل زندگی اور آخری مطمع نظر تصور کرنے لگے۔

ان تمام خرابیوں کے ازالے کی جدوجہد سے قبل لازم ہے کہ ان خرابیوں کے پیدا ہونے کی بنیاد اوراسباب کا کھوج لگایا جائے۔ ملتِ اسلامیہ کے سیرت سے تعلق کے حوالے سے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں مذکورہ بالا خرابیوں کے بنیادی اسباب یہ ہیں:

۱۔ عالم اسلام میں سیرت الرسول ﷺ کا ادھورا فہم

۲۔ غیر اسلامی دنیا میں سیرت کے فہم اور ابلاغ میں درپیش چیلنجز

۱۔ عالمِ اِسلام میں سیرۃُ الرسول ﷺ کا ادھورا فہم

آج عالم اسلام سیرت سے تعلق کے باب میں جن چیلنجز سے دو چار ہے وہ درج ذیل نوعیت کے ہیں:

۱۔ سیرت کے روحانی وجبی پہلو سے صرف نظر

۲۔ سیرت کے فیضان اور تاثیر سے زندگی کے اعمال و اقدار کی محرومی

۳۔ سیرت کے فکری وتعلیماتی پہلو سے اجتماعی زندگی کی لاتعلقی

اب ان کی تفصیل بیان کی جاتی ہے:

(۱) سیرت کے روحانی وجبی پہلو سے صرفِ نظر

جب ملت اسلامیہ عالمگیر سطح پر زوال کا شکار ہوئی تو اغیار نے نہ صرف اس کے سیاسی، معاشرتی اورمعاشی وجود کومشق ستم کانشانہ بنایا بلکہ اسلام کے فکری نظام کوبھی کئی

التباسات اور مغالطوں سے دوچار کردیا۔ اسلام دشمن مفکرین اور مصنفین کی مسلسل کوششوں سے جہاں مسلم ذہن اپنے مستقبل کے مستقلاً مخدوش رہنے کا قائل ہوگیا وہاں دین کی مبادیات خصوصاً حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ سے تعلق کے حوالے سے بھی کئی غلط فہمیوں کا شکار ہوگیا۔

اسلام کی بنیادی فکر میں یہ اختلال پیدا کرنے کے باوجود استعماری قوتیں اس پر مطمئن نہ ہوئیں۔ وہ اس تبدیلی کے نتائج و مضمرات کو ہمیشہ کے لیے ملت اسلامیہ میں باقی رکھنے کی ترکیب سوچنے لگیں کہ اگر اسلام کے دامن میں کوئی ایسی انقلاب انگیز قوت موجود ہے جس کے ہوتے ہوئے مسلم قوم مذکورہ بالا تمام تر خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود کسی وقت بھی اپنی عظمت رفتہ کے حصول کے لئے تن من دھن کی بازی لگا سکتی ہے تو اس قوت کا سراغ لگا کر اسی کے خاتمے کا مؤثر اہتمام کیا جائے۔ تاکہ عالم اسلام اس ذلت وپستی کی حالت سے کبھی نجات نہ پا سکے کیونکہ اسی میں تمام طاغوتی اور مادی قوتوں کی عافیت تھی۔ اسلام کی وہ عظیم ایمانی اور انقلابی قوت جس سے عالمِ کفر لرزہ براندام تھا، حضور رسالت مآب ﷺ سے عشق ہے۔ یہی عشق تاریخ اسلام میں کبھی نسبت توحید کے افق پر چمکتا دکھائی دیتا ہے اور کبھی نسبت رسالت کے افق پر۔ رندانِ مئے توحید اور اسیرانِ عشقِ رسالت کے انہی قافلوں کے سفر سے اسلام کی روحانی تاریخ عبارت ہے اور اسی سے مسلمانوں کی مذہبی اور روحانی زندگی روز اوّل سے آج تک وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تاریخ میں بارہا سیاسی تغیرات کے باوجود ملت اسلامیہ کا مذہبی اور روحانی نظام زوال پذیر نہ ہو سکا بلکہ اس کے ارتقاء کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔ کیونکہ صوفیائے اسلام کی پیہم تبلیغی مساعی نے ہر دور میں مسلمانوں کے دلوں میں عشق الٰہی اور عشق رسالت مآب ﷺ کی وہ شمع فروزاں رکھی جس میں ہماری ملّی حیات کی بقا کی ضمانت موجود تھی۔

مشہور مغربی مؤرّخ پروفیسر ہٹی (Philip K. Hitt) بیان کرتے ہیں:

In the darkest hour of political Islam religious Islam has been able to achieve some of its most brilliant victories.(1)

(1) Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, p. 475.

''اکثر ایسا ہوا کہ سیاسی اسلام کے تاریک ترین لمحات میں بھی مذہبی اسلام نے کئی شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔''

اِنہی اَسباب کا تجزیہ کرتے ہوئے انگلستان کے ایک مشہور ذی علم مستشرق پروفیسر ہیملٹن گب (Hamilton A. R. Gibb) نے بیان کیا ہے:

The mystics, whether as individual missionaries or (later on) as members of organized brotherhoods, were the leaders in the task of conversion among the pagans and the superficially Islamized tribes. The most successful missions were often those of co-nationals of the tribesmen, uncouth, illiterate, and crude though many of them were. They laid the foundations upon which in later generations the refining influences of orthodox law and theology could be brought to bear. It was mainly due to them that through successive centuries the religious frontiers of Islam were steadily extended in Africa, in India and Indonesia, across Central Asia into Turkestan and China, and in parts of South-eastern Europe.(2)

''صوفیاء اپنی انفرادی تبلیغی حیثیت اور بعد میں اجتماعی سلسلوں کے منظّم رکن کے طور پر بھی غیر مسلموں میں اسلام کے فروغ اور سطحی طور پر اسلام قبول کرنے والے قبیلوں میں اسلام کو پختہ کرنے والی سرگرمیوں کے رہنما تھے۔ صوفیاء کی کامیاب ترین کوششیں وہ تھیں جو انہوں نے گنوار ان پڑھ اور بد اخلاق قبائلی لوگوں کو سنوارنے کے لئے کیں۔ انہوں نے وہ بنیادیں استوار کیں جن پر بعد میں آنے والی نسلوں نے اسلام کے بنیادی قانون اور دینیاتی تصورات کو مؤثر طور پر نافذ کیا۔ یہ صوفیاء ہی تھے جن کی وجہ سے آنے والی صدیوں میں اسلام کی مذہبی

2) Hamilton A. R. Gibb, *Mohammedanism: An Historical Survey*, p. 10.

سرحدیں رفتہ رفتہ افریقہ، ہندوستان، انڈونیشیا، وسطی ایشیاء سے ترکستان، چین اور جنوبی مشرقی یورپ کے کئی حصوں تک پھیل گئیں۔‘‘

ہیملٹن گب (Hamilton A. R. Gibb) مزید لکھتے ہیں:

But while the conflict to maintain the Muslim ideals preserved the spiritual and intellectual life of Islam from stagnation, the legists were fighting on the whole a losing battle. The fault lay partly in themselves, that the more scrupulous were loth to hold any religious office under the Sultans and, in rejecting public service, left the field to their more time-serving and less scrupulous brethren. While the purity of their motives may be respected, their withdrawal weakened their power to combat effectively the vices which were taking firm root amongst the governing classes in every province of the Muslim world. The middle classes in general, on the other hand, accepted-if they did not always live up to-the Islamic ideal, and as time went on both they and the theologian-legists were more and more permeated by Sufi influences. Thus one may say, with some little exaggeration, that in the Muslim world, concealed by common outward profession of Islam, there were two distinct societies living side by side and interacting to some extent but in their basic principles opposed to one another.(1)

’’جب مسلمانوں کے آئیڈیل کے تحفظ کی جنگ میں صوفیاء اسلام کی روحانی اور فکری زندگی کو جمود سے بچا رہے تھے فقہاء مکمل طور پر ایک ہاری ہوئی جنگ لڑ رہے تھے۔ نقص ان کے اندر ہی تھا کہ اعلیٰ کردار کے علماء نے جب سلطان کے

(1) Hamilton A. R. Gibb, *Mohammedanism: An Historical Survey*, p. 11.

ماتحت مذہبی ذمہ داریاں ترک کرکے پبلک سروس کو چھوڑ دیا تو اس طرح کم کردار اور کم اہلیت کے لوگوں کے لئے میدان خالی ہوگیا۔ اگرچہ ان کی نیت کے اخلاص کا احترام کیا جانا چاہئے لیکن اس قطع تعلق سے ان کی وہ طاقت کمزور پڑ گئی جس سے وہ مسلم دنیا کے حصوں میں حکمران طبقہ میں جڑ پکڑنے والی برائیوں کے خلاف مؤثر طور پر لڑ سکتے تھے۔ درمیانی طبقہ نے بالعموم اسلامی آئیڈیل کے مطابق زندگی گزارنا قبول کر لیا گو اس پر انہیں مسلسل استقامت نہ تھی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا عوام اور علماء میں صوفیاء کے اثرات نفوذ کرتے گئے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں گو یہ قدرے مبالغے کی بات ہے کہ مسلم دنیا میں قبول اسلام کے نقاب کے نیچے پہلو بہ پہلو دو مختلف معاشرے رہ رہے تھے جن کا آپس میں کچھ نہ کچھ تعامل بھی تھا مگر بنیادی اصولوں میں وہ ایک دوسرے کے بالکل متضاد تھے۔‘‘

The expansion of the Ottoman Empire in Asia and North Africa and the establishment of the Mughal Empire in India in the sixteenth century brought the greater part of the Muslim world once more under the government of powerful and highly centralized civil States. A marked feature of both Empires was the strong emphasis laid on Muslim orthodoxy and the Sacred Law; Church and State were not indeed unified, since the military and higher civil polity was constructed on independent non-Islamic lines, but buttressed one another by a sort of concordat that endured into the nineteenth century.(1)

’’ایشیاء اور شمالی افریقہ میں عثمانی سلطنت کی وسعت اور سولہویں صدی میں ہندوستان میں مغل سلطنت کے قیام سے مسلم دنیا کا بڑا حصہ بہت ہی طاقت ور اور مرکزی نظام رکھنے والی ریاستوں کے ماتحت آ گیا۔ ان دونوں سلطنتوں کی ایک

(1) Hamilton A. R. Gibb, *Mohammedanism: An Historical Survey*, p. 12.

نمایاں خصوصیت ان کا مسلم روایت اور مقدس قانون پر زور تھا۔ اگرچہ چرچ اور ریاست باہم واحد نہیں تھے کیونکہ فوجی اور بالائی سول طبقہ کلیتًا غیر اسلامی خطوط پر تشکیل شدہ تھا۔ لیکن انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ ایسی رضا مندی پیدا کر لی جو انیسویں صدی (۱۹۰۰ء) تک جاری رہی۔‘‘

Yet of the two channels of Muslim religious life the mystical was the broader and deeper. The seventeenth and early eighteenth centuries saw the apogee of the Sufi brotherhoods. The greater orders spread a network of congregations from end to end of the Islamic world, while smaller local orders and sub-orders grouped the members of different classes and occupations into compact communities. Apart from this, Islamic culture in both Empires lived on the heritage of the past, preserving, but scarcely adding to, its intellectual patrimony. The primary task to which its representatives felt themselves called was not to expand, but rather to conserve, to unify, and to stabilize social life on Muslim standards. Within these limits, the measure of unity which they achieved and the social stability which they maintained was indeed remarkable.(1)

’’مسلمانوں کے مذہبی زندگی کے دونوں دھاروں سے ان کی زندگی کا صوفیانہ پہلو زیادہ وسیع اور گہرا تھا۔ سترہویں اور ابتدائی اٹھارہویں صدی نے صوفیاء کے سلسلوں کے وسیع حلقوں کا نظارہ کیا اسلامی دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک صوفیاء کے سلسلے کا جال پھیل گیا۔ جبکہ چھوٹے اور مقامی ذیلی سلسلوں نے اسلامی معاشرے میں مختلف طبقات اور پیشوں کو آپس میں منسلک کر دیا۔ اس سے الگ دونوں سلطنتوں میں جو اسلامی کلچر اپنے ماضی کے ورثہ پر ہی کھڑا تھا، اس

(1) Hamilton A. R. Gibb, *Mohammedanism: An Historical Survey*, p. 12.

نے اسے محفوظ کر دیا مگر اس کے فکری سرمائے میں کچھ اضافہ مشکل ہی کیا۔ اسلامی کلچر کے نمائندوں نے خود جو بنیادی فرض محسوس کیا وہ اس کی توسیع پذیری نہ تھا بلکہ اس کا تحفظ، وحدت اور مسلم معیارات کے مطابق سماجی زندگی کا استحکام تھا۔ ان حدود کے اندر انہوں نے وحدت اور سماجی استحکام کا جو درجہ حاصل کیا بلاشبہ بہت ہی قابل تعریف تھا۔‘‘

یہ حقیقت کہ صوفیاء کی تعلیم اور ان کا فکر عشقِ رِسالت مآب ﷺ سے کس قدر لبریز ہے کسی بھی اہل علم سے مخفی نہیں۔ عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے لبریز اسی فکر کی نشاندہی کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

هر كه عشقِ مصطفٰى سامانِ اوست
بحر و بر دَر گوشۂ دامانِ اوست[1]

(محمد مصطفیٰ ﷺ کا عشق جس نے اپنا سامان (زادِ راہ) بنا لیا، یہ بحری و برّی کائنات اس کے زیرِ نگیں آ گئی۔)

ایک اور مقام پر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں اس طرح عرض پرداز ہیں کہ عشق و مستی کے ہزاروں قلزم ایک شعر میں محصور نظر آتے ہیں:

ذِكر و فكر و علم و عرفانم توئى
كشتى و دريا و طوفانم توئى[2]

(حضور آپ ﷺ کی ذات سے ذِکر و فکر اور علم و معرفتِ اِلٰہی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ دریا اور اس کی طوفانی موجیں، بھی آپ ہیں اور ساحلِ مراد تک پہنچانے والی کشتی بھی آپ ہیں۔)

(۱) اِقبال، پيامِ مشرق: ۱۹۰ / ۲۰، پيش كش
(۲) اِقبال، كليات (مثنوى پس چه بايد كرد اے أقوامِ مشرق): ۸۴۶ / ۵۰، دَر حضور رِسالت مآب ﷺ

اِسی حقیقت کو اُردو میں علامہ نے اِس طرح دہرایا ہے:

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اَوّل، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ(۱)

ایک اور مقام پر علامہ اقبالؒ عشقِ رِسالت کا درس کیف و مستی کی عجیب کیفیت میں ڈوب کر دیتے ہیں:

معنئ حرفم کنی تحقیق اگر
بنگری بادیدۂ صدیق اگر

قوت قلب و جگر گردد نبی
از خدا محبوب تر گردد نبی(۲)

(میرے اشعار کے معنی و مفہوم کو اگر تو تحقیق کی نظر سے دیکھنا چاہتا ہے تو اس کے لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھ چاہیے۔ اگر یہ میسر آجائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے دِل و جگر کو تقویت یعنی حوصلہ ملتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا سے زیادہ محبوب ہو جاتے ہیں۔)

ایک اور مقام پر علامہ نے کہا:

خاکِ یثرب اَز دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است(۳)

(یثرب یعنی مدینہ منورہ کی سرزمیں دُنیا جہان کے ہر مقام سے زیادہ اچھی ہے اور

(۱) اِقبال، کلیات (بالِ جبریل): ۵۷۲، غزلیات (حصہ دُوُم)
(۲) اِقبال، کلیات (اَسرار و رُموز): ۱۰۱/۱۰۱، رُکن دُوُم: رِسالت
(۳) اِقبال، کلیات (اَسرار و رُموز): ۲۱/۲۱، دَر بیانِ ایں کہ خودی اَز عشق و محبت اِستحکام می پذیرد

وہ شہر کیوں نہ اچھا ہو جہاں محبوب ﷺ کا مسکن ہے۔)

نسخۂ کونین را دیباچه اوست
جمله عالم بندگان و خواجه اوست[(۱)]

(حضور ختمی مرتبت ﷺ کتابِ کونین کا دیباچہ یعنی حرفِ آغاز ہیں۔ آپ ﷺ کائنات کے آقا اور باقی سب غلام ہیں۔)

علامہ کی دربارِ رسالت میں درج ذیل اِلتجا بھی اِسی سبق کی آئینہ دار ہے:

مسلماں آں فقیرِ کج کلاهے
رمید از سینۂ اُو سوزِ آهے

دلش نالد! چرا نالد؟ نداند
نگاهے یا رسول اللّٰه نگاهے![(۲)]

(مسلمان وہ کجکلاہ فقیر ہے جوکسی کو خاطر میں نہیں لاتا مگر اس کے سینے سے آہِ سوزناک نکل گئی ہے۔ اس کا دِل فرطِ اضطراب سے نالہ کناں ہے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ وہ (دل) کیوں رو رہا ہے۔)

نہ صرف یہ کہ علامہ نے اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو ذاتِ محمدی ﷺ سے والہانہ عشق کا پیغام دیا بلکہ اسی عشق رسالت ﷺ کو ملت اسلامیہ کی بقا و دوام کا راز بھی قرار دیا اور یہی وہ انقلاب انگیز قوت تھی جس سے سامراجی و طاغوتی طاقتیں خائف تھیں۔ آپ فرماتے ہیں:

لَانَبِیّ بَعْدِی ز اِحسانِ خدا است

(۱) اِقبال، کلیات (اَسرار و رُموز): ۲۱/۲۱، دَر بیانِ ایں که خودی اَز عشق و محبت اِستحکام می پذیرد
(۲) اِقبال، کلیات (اَرمغانِ حجاز): ۳۰/۹۱۲، حضورِ رسالت

پردۂ ناموسِ دینِ مصطفٰی است

قوم را سرمایۂ قوت ازو
حفظِ سرِّ وحدتِ ملّت ازو[۱]

(حضور ﷺ کے بعد کسی نبی کا نہ آنا اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسان ہے اور آپ ﷺ کی ختم نبوت ہماری عزت و ناموس کی محافظ ہے۔ اس قوت سے قوم مسلم کی شیرازہ بندی ہوتی ہے اور یہی ملی اتحاد و یکجہتی کا راز ہے۔)

علامہ اُمتِ مسلمہ کو چراغِ مصطفوی ﷺ کا پروانہ قرار دیتے ہوئے دیگر مقامات پر کہتے ہیں:

از رسالت هم نوا گشتیم ما
هم نفس هم مدعا گشتیم ما

تانه ایں وحدت زدستِ ما رود
هستئ ما با ابد همدم شود[۲]

(رسالتِ محمدیہ ﷺ کے فیضان سے ہم ایک دوسرے کے ہم نوا (ہم آواز) بن گئے اور ہمارا مقصودِ حیات ایک ہی ہو گیا ہے۔)

اُمتے از ما سوا بیگانۂ
بر چراغ مصطفٰی ﷺ پروانۂ[۳]

(اُمت مسلمہ غیر اللہ سے کوئی سروکار نہیں رکھتی اور چراغِ مصطفیٰ ﷺ پر پروانہ وار فدا ہونے کا جذبہ رکھتی ہے۔)

---

(۱) اِقبال، کلیات (اَسرار و رُموز): ۱۰۲/۱۰۲، رُکنِ دُوُم: رِسالت
(۲) اِقبال، کلیات (اَسرار و رُموز): ۱۰۲/۱۰۲، رُکنِ دُوُم: رِسالت
(۳) اِقبال، کلیات (اَسرار و رُموز): ۱۰۴/۱۰۴،

تا شعار مصطفٰی از دست رفت
قوم را رمزِ بقا از دست رفت(۱)

(جب سے یہ اُمت حضور ﷺ کے اسوۂ مبارکہ کا دامن ہاتھ سے چھوڑ گئی ہے وہ اس بات سے بھی غافل ہے کہ قومی بقاء و سلامتی کا راز کیا ہے۔)

زوال اسلام کے اس دور میں جب اقبالؒ ملت اسلامیہ کے عروق مردہ میں عشق مصطفٰی ﷺ کے پیغام کے ذریعے نئی روح پھونک کر اسے تباہی و ہلاکت سے بچانے کی فکر میں تھے، اسلام دشمن استعماری طاقتیں منظّم ہو کر مسلمانوں کے دلوں سے اسی عشق رسالت مآب ﷺ کے جذبے کو نکالنے کی علمی، فکری اور عملی تدبیریں کر رہی تھیں۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر مسلمانوں کے دل محمد مصطفٰی ﷺ کے جذبہ عشق و محبت سے خالی ہو گئے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت انہیں اپنی کھوئی ہوئی عظمت واپس دلا سکتی ہے نہ اِصلاح و تجدید کی تحریکیں انہیں اپنی منزلِ مراد تک پہنچا سکتی ہیں۔ یہ محض ایک مفروضہ یا خیال خام نہیں بلکہ ایک روشن حقیقت ہے۔ مغربی استعمار کی اسی سازش کی طرف علامہ اقبالؒ نے اشارہ فرماتے ہوئے کہا تھا:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو(۲)

چنانچہ اسی مقصد کے تحت مغربی سامراج نے ایک طرف مسلمانوں کے اندر

(۱) اِقبال، کلیات (اَسرار و رُموز): ۱۲۸/۱۲۸، دَر معنئ ایں کہ پختگئ سیرتِ ملّیہ اَز اِتباعِ آئینِ اِلٰہیہ اَست
(۲) اِقبال، کلیات (ضربِ کلیم): ۱۰۳۱، ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام

ایسے فرقہ وارانہ علمی مباحث کی سرکاری سطح پر حوصلہ افزائی شروع کی جن کا ہدف زیادہ تر حضور ﷺ کی عظمت و ادب اور آپ ﷺ کے فضائل و کمالات کا اِنکار تھا تاکہ امت میں اہانت رسالت اور گستاخی نبوت کا فتنہ پیدا ہو۔ دوسری طرف یہ فکری میدان اسلامی تحقیق کے نام پر متعصب یہودی اور عیسائی مستشرقین کے سپرد کر دیا گیا جنہوں نے اسلام کی تعلیمات اور بانی اسلام ﷺ کی شخصیت اور سیرت پر اس انداز سے کتب تصنیف کیں کہ اگر ایک خالی الذہن سادہ مسلمان ان تصانیف کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کا ذہن رسول اکرم ﷺ کی ذات اور تعلیمات کے بارے میں طرح طرح کے شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ان کتابوں کے باقاعدہ مطالعہ سے جو ذہن تشکیل پاتا ہے اسے عشق و ادب رسالت مآب ﷺ کے تصور سے دور کا بھی واسطہ نہیں رہتا۔ اس طرح مسلمانوں کے ذہنوں کو ہر دو طرح مسموم کرنے کا کام آج تک ہو رہا ہے۔

ہماری بدقسمتی کہ بعض مسلم مفکرین کے ہاتھوں بھی نادانستہ یہی کام سرانجام پانے لگا۔ وہ اس طرح کہ جب دورِ جدید میں مسائلِ حیات بدلے اور نئے نئے تقاضوں نے جنم لیا تو کئی مسلم مفکرین نے اسلام کی تعلیمات اور حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں کو اس انداز سے پیش کرنا شروع کیا کہ عصر حاضر کے چیلنج کا مقابلہ کیا جا سکے۔ ہر چند کہ یہ علمی کوششیں نہ صرف درست تھیں بلکہ تقاضائے وقت کے پیش نظر ضروری تھیں، ان مفکرین کے سامنے مسلمانوں کو درپیش مسئلے کا محض ایک رخ رہا، دوسرا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ کی مقدس شخصیت کے دو پہلو ہیں جو اپنی اپنی جگہ علیحدہ اور مستقل بھی ہیں اور باہم لازم و ملزوم بھی۔ ان میں سے کسی ایک پہلو کو بھی نظرانداز کرنا اسلام کے لئے سخت نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔

(۲) سیرت کے فیضان اور تاثیر سے زندگی کے اَعمال و اَقدار کی محرومی

اسلام ایسے اعمال و اقدار کا حامل ہے جو زندگی کو ظاہراً و باطناً ایک مثبت تبدیلی سے آشنا کرتے ہیں۔ اسلام کے یہی اعمال و اقدار ماضی میں مسلمانوں کی مادّی و تعدادی

کمزوریوں کے باوجود ان کے غلبہ وتمکنت کا باعث رہے ہیں۔ یہ اعمال و اقدار مسلمانوں کی ہیئت اجتماعی میں تب ہی موثر ہو سکتے ہیں جب انہیں ذات رسالتمآب ﷺ سے حقیقی اور کلی تعلق میسر ہو۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی شخصیت انسانی شخصیت کے تمام اوصاف وکمالات کی جامع ہے۔ اس کے مطالعہ سے حضور ﷺ کی شخصیت کی ایسی جامع تصویر سامنے آتی ہے کہ انسان کامل اور اسوہ حسنہ کا صحیح نقشہ ذہن پر مرتسم ہو جاتا ہے۔ اس سے حضور ﷺ کے حسنِ اَخلاق، حسنِ معیشت، شجاعت و بسالت، صبر وتحمل، صداقت و امانت، تدبر و بصیرت، عدالت و فقاہت، جود وسخا اور رحمت ومودت جیسے عظیم خصائل و اَوصاف کا علم حاصل ہوتا ہے اور ہر قاری حضور ﷺ کی ذات گرامی کو عظیم مصلح و رہنماء، عظیم مدبر و منتظم، عادل قاضی و منصف، بے نظیر مقنن، مثالی قائد و سپہ سالار، دیانت دار تاجر، مثالی شہری، مثالی خاوند اور سربراہ خاندان، کامیاب سربراہِ ریاست اور اسی طرح ایک عظیم انسان کے روپ میں دیکھنے لگتا ہے۔ سیرت النبی ﷺ کے اس پہلو کی اہمیت و افادیت تبھی موثر ہے جب اسے حضور نبی اکرم ﷺ کی شخصیت کے دوسرے پہلوؤں کے ساتھ دیکھا جائے۔ لیکن بعض مسلم مفکرین ومصنّفین نے رِسالت مآب ﷺ کے فضائل و شمائل کے بیان کو صرف اسی عملی پہلو تک محصور کر دیا اور وہ روحانی پہلو جو حضور ﷺ کے بلند و بالا کمالات اور معجزانہ خصائص و امتیازات پر مشتمل تھا، اُسے یہ کہہ کر نظرانداز کر دیا گیا کہ جدید تعلیم یافتہ نسل کا ان مسائل سے کوئی تعلق نہیں، یہ تو محض صوفیاء وعرفاء کے لئے ہیں یا فقط عقیدت مندی کی باتیں ہیں جو نئے دور کی ضرورت نہیں۔

مزید برآں فضائل سیرت کے ظاہری پہلوؤں کا بیان بھی عقیدت ومحبت کی چاشنی اور تعظیم وتکریم کے رنگ سے اس بنا پر عاری رکھا گیا کہ یہ جدید آداب تحقیق کے منافی ہے، لہٰذا اس غلو سے اپنی تحریروں کو مبرا ہی رکھنا چاہئے۔ نتیجتاً وہ قلبی عقیدت اور والہانہ محبت جو رفتہ رفتہ عشق میں بدل جایا کرتی ہے اس نسل کے دلوں سے ناپید ہوتی گئی اور بقول اقبال تعلیم یافتہ نوجوان نسل اس نوبت کو جا پہنچی ہے:

بجھی عشق کی آگ، اندھیر ہے
مسلماں نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے(۱)

سیرت کے عملی پہلوؤں کے بیان سے فکری ونظری دلائل کی صورت میں عقل پرست طبقے کے اعتراضات کا جواب بھی دیا جاسکتا ہے، اس کے ذریعے آنحضرت ﷺ کی سیرت اور تعلیمات کو بیشک نئے حالات میں قابل عمل اور نتیجہ خیز بھی ثابت کیا جاسکتا ہے مگر مسلمانوں کے دلوں میں حضور ختمی مرتبت ﷺ کے عشق و محبت کا چراغ روشن نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے سینوں میں آقائے دو جہاں ﷺ کی دیوانہ وار الفت و عقیدت کا وہ طوفان بپا نہیں کیا جاسکتا جس کی قوت سے وہ کفر و طاغوت کے خلاف ٹکرا جائیں اور ناموس دین مصطفوی ﷺ کی خاطر اس طرح جانوں کے نذرانے پیش کر دیں کہ...... اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (کافروں پر بہت سخت اور زور آور ہیں)(۲) ...... اور ...... لَايَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ نہیں ہوں گے)(۳) ...... کے ایمان پرور نظارے دنیا کے سامنے آجائیں۔

جب غیر مسلم مفکرین نے حضور ﷺ کی شخصیت کے محض ظاہری پہلوؤں کو منفی انداز میں پیش کیا تو مسلم مفکرین نے بھی انہیں ظاہری پہلوؤں کو جواباً مثبت انداز میں پیش کر دیا اور آنحضرت ﷺ کے روحانی فضائل و کمالات کے بیان کو جدید دور میں غیر ضروری سمجھتے ہوئے ترک کر دیا تو خود مسلمانوں میں ہی دو طرح کے ذہن پیدا ہو گئے:

۱۔ مغربیت زدہ سیکولر ذہن

۲۔ مادیت زدہ مذہبی ذہن

مغربیت زدہ سیکولر ذہن جو فکری تشتت اور نظریاتی تشکیک میں مبتلاء ہو کر خود کو

(۱) اِقبال، کلیات (بالِ جبریل): ۴۴۵، ساقی نامہ
(۲) القرآن، الفتح، ۴۸: ۲۹
(۳) القرآن، المائدہ، ۵: ۵۴

روشن خیال مسلمان تصور کر رہا تھا، مستشرقین کے زہریلے پراپیگنڈے کے باعث نہ صرف عشق رسول ﷺ کی دولت سے عاری اور اسلام کے روحانی تصورات سے نابلد ہو گیا بلکہ اسلام کی ابدی صداقت و عملیت اور عظمتِ رِسالت ﷺ پر ایمان اور عقیدت میں بھی متزلزل ہو گیا۔ دوسری طرف مادیت زدہ مذہبی ذہن جو مستشرقین کے پراپیگنڈے کے اثر سے کسی نہ کسی طور بچ گیا تھا وہ جدید اسلامی لٹریچر کے نتیجے میں اسلام اور بانیٔ اسلام ﷺ سے اعتقادی، فکری اور عملی طور پر وابستہ تو رہا لیکن عشقِ رسول ﷺ کے عقیدہ کو فرسودہ، غیر ضروری اور جاہلانہ وشخصیت پرستی کے مترادف تصور کرنے لگا۔ بلکہ وہ عقیدۂ توحید اور عقیدۂ عظمتِ رِسالت کے درمیان خطرناک تضادات اور اِلتباسات کا شکار ہو گیا۔ اُس کی نگاہ میں مقامِ نبوت غیر اِرادی اور لاشعوری طور پر کم سے کم تر ہوتا چلا گیا اور وہ اس نشے میں مبتلا رہا کہ اس کی توحید نکھر رہی ہے اور وہ شرک سے پاک ہو کر پختہ موَحد بن رہا ہے۔ اس طرح دونوں طبقات بعثتِ محمدی ﷺ کی دولتِ لازوال سے تہی دامن ہو کر ایمانی حلاوت اور روحانی کیفیات سے محروم ہو گئے اور یوں ہماری اعتقادی وفکری زندگی تباہی و ہلاکت کا شکار ہو گئی۔

اِس دور میں اِحیائے اسلام اور ملت کی نشاۃِ ثانیہ کی جس قدر علمی وفکری تحریکیں منصۂ شہود پر آئی ہیں ان کی تعلیمات سے جو تصور مسلمانوں کی نوجوان نسل کے ذہنوں میں پیدا ہو رہا ہے وہ یہی ہے کہ اسلام کو بحیثیت نظام حیات قبول کر لینا اور حضور ﷺ کی سیرت و تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہی کمالِ اِیمان اور محبتِ رسول ﷺ ہے؛ اور اس اِتباع کے علاوہ رِسالت مآب ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے خاص قسم کا قلبی، عشقی اور جذباتی لگاؤ مقصودِ ایمان ہے نہ تعلیمِ اسلام، بلکہ یہ جاہلانہ شخصیت پرستی کی ایک صورت ہے جو توحید خالص کے منافی ہے۔

اِس نام نہاد روشن خیالی سے ہماری حیاتِ ملّی پر جو مضر اَثرات مرتب ہوئے وہ محتاج بیان نہیں۔ ضرورت اِس اَمر کی ہے کہ سیرۃُ الرسول ﷺ کے ذریعے عشقِ رسول ﷺ کے اصل تصور کو اس طرح اُجاگر کیا جائے کہ آج کی نوجوان نسل جو تلاشِ

حقیقت میں سرگرداں ہے اس آفاقی حقیقت سے باخبر ہو کر پھر سے اپنے آقا و مولا ﷺ کے ساتھ وہ حبی تعلق استوار کر لے کہ اس کی نظروں کو دانشِ فرنگ کے جلوے کبھی خیرہ نہ کر سکیں۔ بقول اقبالؒ:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف[۱]

اور اُنہیں دینِ حق کی اس کامل تعبیر کی صحیح معرفت نصیب ہو جسے اِقبالؒ نے اِس شعری قالب میں ڈھال دیا ہے:

بمصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نرسیدی، تمام بولہبی است[۲]

(دین سارے کا سار درِ مصطفٰی ﷺ پر رسائی کا نام ہے۔ اگر اس در تک ہم نہ پہنچ سکے تو ایمان رُخصت ہو جاتا ہے اور بولہبی باقی رہ جاتی ہے۔)

اَندریں حالات عشقِ رسول ﷺ کی اَہمیت کو قرآن و حدیث اور سیرت کی روشنی میں اَز سرِنو نمایاں کرنا اَشد ضروری بلکہ ناگزیر ہو چکا ہے تاکہ عصر حاضر کے فکری بگاڑ اور عظمت و محبت رسول ﷺ سے ناآشنائی کے سبب پیدا ہونے والے روحانی زوال کا ممکنہ حد تک اِزالہ کیا جاسکے۔ ہماری نظر میں ایک طرف حضور سیّد دو عالم ﷺ کی وہ محبوبانہ عظمت و شان ہو جو آپ ﷺ کو بارگاہ خداوندی میں حاصل ہے اور آپ ﷺ کی روحانی شوکت و رفعت کا وہ عُلوّ جس کے پھریرے اَقلیمِ فرش و عرش پر پیہم لہرا رہے ہیں اور دوسری طرف آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے فکری، علمی اور عملی عظمت کے وہ پہلو ہوں جن سے دنیائے علم و عمل جگمگا رہی ہے۔ اس جامع اور ہمہ جہت تصور کو حتی المقدور الفاظ کا جامہ پہنا کر عوام الناس میں متعارف کرایا جائے تاکہ تعلیمات اسلام اور سیرت نبوی ﷺ

(۱) اِقبال، کلیات (بالِ جبریل): ۵۹۹، غزلیات (حصہ دُوُم)
(۲) اِقبال، کلیات (اَرمغانِ حجاز): ۱۱۴۰، حسین اَحمد

کا ایسا متوازن اور جامع تصور متعارف کرایا جاسکے جو بیک وقت نظروں اورعقلوں کو بھی مطمئن کرے اور دلوں اور روحوں کی اُجڑی بستی بھی سیراب کرے۔

آج اِس اَمر کی بھی اَشد ضرورت ہے کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صلحائے اُمت کے تذکرے عام کئے جائیں جنہوں نے اپنی زندگیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور والہانہ عشق کی بھٹی میں سے گزارتے ہوئے قدم قدم پر ایسے ان منٹ نقوش ثبت کئے ہیں کہ رہتی دنیا تک کوئی محبّ اپنے محبوب کے لئے محبت کی دنیا میں ایسے نذرانے پیش نہیں کرسکتا۔ ان کی انہی اداؤں کو آج بھی ہم اپنے لئے نمونہ بنا سکتے ہیں کیونکہ پریشان حال امت کے دکھوں کا مداوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سرشار ہوکر سنت و اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بلائے بغیر ناممکن ہے۔

اس خزاں رسیدہ چمن میں بہاریں تب ہی جوبن پر آسکتی ہیں جب آج کے پریشان حال نوجوان اپنے سینے سے عشق و محبت کے وہی تیر پھر پار کریں جن سے ابوبکر و عمر اور بلال و بوذر رضی اللہ عنہم نے اپنے دل چھلنی کئے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح یہ سوزشِ عشق نہ ہوگی تو معرکہ ہائے بدر و حنین بھی برپا نہیں ہوسکیں گے اور نہ راتوں کی تاریکیوں میں شب زندہ دار اپنے نالہ ہائے نیم شبی سے قدسیانِ فلک کو محو رشک کرسکیں گے۔

جس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دِلوں میں
محفل کا وہی ساز ہے بیگانۂ مضراب(۱)

اِس لئے اِس اَمر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واقعاتی اور تعلیماتی سیرت کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبوی کمالات و فضائل اور روحانی شئون و شمائل کا تذکرہ بھی کیا جائے تاکہ قاری عشق و محبت سے مملو جذبات کے ساتھ سیرتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ کرسکے۔ حضور رِسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرِ جمیل بالعموم تین صورتوں پر مشتمل ہوسکتا ہے:

(۱) اِقبال، کلیات (ضربِ کلیم): ۹۸۲، شعاعِ اُمید

- بیانِ فضائل
- بیانِ شمائل
- بیانِ خصائل

بیانِ فضائل

فضائل سے حضور نبیٔ اکرم ﷺ کے وہ پیغمبرانہ روحانی امتیازات اور معجزات و کمالات مراد ہیں جو وقتاً فوقتاً آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے ظاہر ہوتے رہے۔ ان کے ذکر کا مقصد اوّلیں دلوں پر رسولِ مقبول ﷺ کی عظمت و تکریم کا نقش ثبت کرنا ہے۔ یہ تصور اگر دل میں جاگزیں ہو جائے تو اس سے بذاتِ خود حقانیتِ اسلام کی بہت بڑی دلیل ہاتھ آ جاتی ہے، کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات عطا کئے جانے کا یہی بنیادی فلسفہ تھا اور مزید یہ کہ مسلمانوں کے دل حضور ﷺ سے رشتہ ادب و تعظیم میں منسلک ہو جاتے ہیں۔

بیانِ شمائل

شمائل کا تعلق حضور ﷺ کی شخصیت مبارکہ کے حسنِ ظاہر سے ہے۔ اس کے بیان کا مدعا یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ذات والا صفات سے محبت کے والہانہ جذبات اہلِ ایمان کے دلوں میں فروغ پائیں۔ یہ فطری بات ہے کہ کسی حسین کے حسن دل پذیر کا تذکرہ کیا جائے تو دل بے اختیار اس کی طرف کھچے چلے آتے ہیں۔ کیونکہ محبتِ رسول ﷺ میں والہانہ پن ہی ایمان کا حقیقی کمال اور اطاعت و اتباع کی صحیح بنیاد ہے۔ اس بیان سے حضور ﷺ کی شخصیت، سیرت، سنت اور ہر ہر ادا کا فہم اور اس کا پیار فطری طریق سے دلوں میں پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ بھی مقصود ایمان ہے۔

بیانِ خصائل

خصائل کا بیان حضور ﷺ کی عادات و اطوار اور افعال و اعمال سے متعلق ہے، گویا یہ شخصیت مبارکہ کے حسن باطن کا آئینہ دار ہے۔ اس سے آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کے مطالعہ کا موقع فراہم ہوتا ہے تاکہ اس روشنی میں انسان اپنے عمل کی اِصلاح اور اَخلاق کی تطہیر کر سکے اور اپنی زندگی آپ ﷺ کی مقدس تعلیمات کے سانچے میں ڈھال سکے۔ یہ پہلو اِطاعت و اِتباع کی ترغیب دیتا ہے اور کمالِ اِیمان اِسی سے متعلق ہے۔

(۳) سیرت کے فکری و تعلیماتی پہلو سے اِجتماعی زندگی کی لاتعلقی

اسلام کے اعمال و اقدار کے مجرد رسم میں بدل جانے کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ ملت اسلامیہ کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سیرت سے دور ہوگئی۔ زندگی کے کسی بھی پہلو پر سیرت کے واضح اور نمایاں اثرات نہیں رہے۔ سیرت الرسول ﷺ کے بصیرت پر مبنی فہم نہ ہونے اور سیرت کے ساتھ زندہ عملی، قلبی اور روحانی تعلق نہ ہونے کے سبب سے نسل نو میں عمل کے نتائج کے باب میں بے یقینی پیدا ہوگئی اور اس بے یقینی نے ملت اِسلامیہ کو اجتماعی سطح پر لادینی طرزِ فکر اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس بے یقینی کے سبب سے نہ صرف یہ کہ ملتِ اِسلامیہ سے عمل کا داعیہ چھن گیا بلکہ راہِ عمل پر گامزن لوگ بھی اپنے عمل کی مؤثریت سے محروم ہوتے چلے گئے۔ حالانکہ اس سیرت مبارکہ کو جسے اللہ رب العزت نے اسوۂ حسنہ قرار دے کر اہل اِسلام کے لئے تا ابد نمونہ بنایا تھا۔ ایسا نمونہ کامل جس میں حصول نتائج کی ضمانت ہے اور اُنہی احوال و کیفیات اور حالات و واقعات کے پھر سے منصۂ شہود پر آنے کی ضمانت ہے جن کے سبب سے دورِ نبوت میں انسانیت تاریکی سے نکل کر روشنی، زوال سے نکل کر عروج اور جہالت سے نکل کر دورِ نو میں داخل ہوئی تھی، وہ اسوۂ حسنہ صرف بیان تک محدود ہو کر رہ گئی۔ ان حالات میں نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام عقیدے کی حد تک تو دین رہا لیکن عملاً ہماری زندگیوں میں بطور ایک مکمل دین کے موجود نہیں رہا اور اس کے نتیجے میں ہماری اجتماعی زندگی کم و بیش ہر دائرے میں تغیرات کی نذر ہوگئی جن

میں سیاسی فکر، معاشی و اقتصادی فکر، قانونی فکر، عمرانی اور سماجی فکری، تہذیبی اور ثقافتی فکر، مذہبی فکر اور تعلیمی فکر شامل ہیں۔

۲۔ غیر اِسلامی دُنیا میں سیرت کے فہم اور اِبلاغ میں درپیش چیلنجز

اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کو صرف رسول اسلام نہیں بلکہ رسول انسانیت بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ کا پیغام پوری اِنسانیت کے لئے کامیابی کا پیغام ہے۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ ہر دور میں کچھ ایسے عوامل ضرور کارفرما رہے جن کے سبب سے حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت کا یہ پیغام پورے عالم تک نہیں پہنچ سکا۔ غیر اسلامی دنیا میں سیرت الرسول ﷺ کے حوالے سے پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کے دو بڑے اسباب ہیں:

۱۔ اسلام اور مغرب کی معاشرتی اَقدار کا فرق

۲۔ مغربی مصنفین اور مفکرین کی متعصّبانہ تحریریں اور اِسلام کے بارے میں تعصب پر مبنی پروپیگنڈہ

(ا) اِسلام اور مغرب کی معاشرتی اَقدار کا فرق

مغرب کا اِسلام کے حوالے سے دورِ جدید میں سامنے آنے والا ردِعمل بنیادی طور پر اسلام اور مغرب کے سماجی اور عمرانی ڈھانچے کے فرق کے سبب سے ہے۔ اِسلام کا سماجی، عمرانی اور معاشرتی ڈھانچہ مغرب کے نظامِ معاشرت سے کلیتًا مختلف ہے۔ اسلام کی بنیادی اقدار انجام کار مغرب کو اسلام دُشمنی پر مجبور کرتی ہیں۔ ایک مغربی مفکر لکھتا ہے:

The most basic cultural fault line between the west and Islam does not concern democracy-it involves issues of gender equality and sexual liberalization.(1)

’’اسلام اور مغرب میں بنیادی ثقافتی تفاوت کی حد کا تعلق جمہوریت سے نہیں،

(1) Ronald Inglehart, Pippa Norris, *Sacred and Secular: Religion and Politics Worldwide*, p. 155.

بلکہ اس کا تعلق نوعی مساوات اور جنسی آزادی سے ہے“

……The social values of gender equality and sexual liberalization could plausibly lie at the heart of any "clash" between Islam and the west. The analysis of these social attitudes reveals the extent of the gulf between Islam and the west, with a stronger and more significant gap on these issues than across most of the political values.(1)

”……نوعی مساوات اور جنسی آزادروی کی سماجی اقدار یقینی طور پر اسلام اور مغرب میں کسی تصادم کی بنیاد بن سکتی ہیں۔ ان سماجی رویوں کا تجزیہ اسلام اور مغرب میں موجود خلیج کی نوعیت کو واضح کرتا ہے، جو سیاسی اقدار میں موجود خلیج سے زیادہ موثر اور اہم ہے۔“

اِسلام کی معاشرتی اقدار صرف معاشرے تک ہی محدود نہیں بلکہ اُن کا براہ راست اثر اجتماعی نظام اور حکومت کی تشکیل پر پڑتا ہے اور یہاں بھی اسلام اور مغرب کی اقداری حدیں الگ ہوتی چلی جاتی ہیں:

Islam (is) personal piety and worship of God in a framework of revealed universal ethical principles which are to be implemented in human life. …… Islam in its personal pietism and Quranic ethical universalism is meant to do this.(2)

”اسلام وحی پر مبنی آفاقی اخلاقی اقدار کے اندر انفرادی پاکبازی اور اللہ کی بندگی کا نام ہے۔ اسلام اسے انسانی زندگی میں نافذ کرنا چاہتا ہے۔ اسلام اپنی انفرادی

(1) Ronald Inglehart, Pippa Norris, *Sacred and Secular: Religion and Politics Worldwide*, p. 149.
(2) David Marquand, Ronald L. Nettler, *Religion and Democracy*, pp. 53-54.

پاکبازی کی تعلیمات اور قرآن کی آفاقی اخلاقیات کے تحت اسے رو بہ عمل کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔‘‘

(۲) مغربی مفکرین کا اِسلام کے خلاف متعصّبانہ پراپیگنڈہ

اسلام اور مغرب کی موجودہ آویزش کا پس منظر مغالطّوں، تعصب اور حقائق کے منافی پراپیگنڈے پر مبنی ہے جو آج تک جاری ہے۔

یہ ایک تاریخی المیہ ہے کہ اسلام کی اس فطری فروغ پذیری کو جو انسانیت کی ضرورت بھی تھی، عیسائیت نے اپنے لئے علمی، فکری، مذہبی، سماجی اور سیاسی خطرہ محسوس کیا[(۱)] جو تاریخ کی فطری حرکت کی غلط تفہیم تھی۔ انہوں نے اسلام کو بدنام کرنے کے لئے غلط اور کذب پر مبنی خودساختہ کہانیاں مشہور کر دیں جن کا ہدف حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی تھی۔ انہوں نے مشہور کیا کہ معاذ اللہ حضور ﷺ جادوگر ہیں اور آپ ﷺ رومن چرچ کے ایک Cardinal تھے جو پوپ بننے کی تمنا میں ایک نئے مذہب کے بانی بن گئے۔[(۲)]

ایک مغربی مصنف ساؤدرن (R. W. Southern) لکھتا ہے کہ ۱۱۰۰ء سے قبل میں نے حضور ﷺ کا صرف ایک جگہ ذکر پڑھا مگر ۱۱۲۰ء کے بعد کا ہمارا محمد ﷺ کے بارے میں علم ان کی حقیقی سیرت کے برعکس معلومات پر مبنی ہے[(۳)] کیونکہ اسلام پر افسانہ کی حد تک بڑھے ہوئے جھوٹ اور کذب و افتراء پر مبنی الزامات عائد کئے گئے۔[(۴)]

(1) Maxime Rodinson, The Western Image & Western Studies of Islam in Joseph Schacht & C. E. Bosworth, eds., *The Legacy of Islam*, p. 9.
(2) Albert Hourani, *Europe and the Middle East*, p. 9.
(3) Southern R. W., *Western Views of Islam and the Middle Ages*, p. 28.
(4) John L. Esposito, *The Islamic Threat: Myth or Reality?* p. 43.

بلکہ ایک مغربی سیرت نگار نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی کے حالات لکھتے ہوئے جتنی زیادہ برائیاں لکھ سکتے ہو لکھو۔[1] یعنی آپ ﷺ کے تشخص کو بگاڑ کر پیش کرو۔ (معاذ اللہ)

اسلام کے فروغ کے ساتھ جب عیسائی دنیا میں اقلیتی مسلمان فاتحین اکثریت میں بدلنے لگے تو عیسائی مذہبی طبقوں (Clergy) نے اسے اپنے لئے خطرہ قرار دیا۔[۲] یہی احساس آگے چل کر صلیبی جنگوں میں بدلا، اسلام اور عیسائیت کے مستقبل کے تعلقات کے تعین میں 11ویں سے 13ویں صدی میں ہونے والی صلیبی جنگوں نے بھی کلیدی کردار ادا کیا۔[۳] جن کے حقیقی اسباب کے بارے میں آج بھی اکثر مغربی مفکرین ابہام والتباس کا شکار ہیں۔[۴] ان جنگوں کا اثر یہ ہوا کہ مسلم دنیا میں عیسائیت کے متشدد قوم کا تاثر پیدا ہوا۔[۵] اور آج مغرب کی سرگرمیوں سے یہ تاثر مزید تقویت پذیر ہو رہا ہے۔[۶]

آنے والے دور میں ترکی عثمانیوں کا اقتدار یورپ کے لئے مزید خطرہ بن گیا کیونکہ اس دور میں سات لاکھ آبادی (۷,۰۰,۰۰۰) کا استنبول طاقت وتہذیب کا علمی مرکز تھا۔[۷]

مگر مسلمانوں کی طاقت و اقتدار کا یہ نصف النہار بھی آج کے مغربی عروج سے

(1) Southern, R. W., *Western Views of Islam and the Middle Ages*, p. 31.
(2) Stephen Humphreys, R., *Islamic History: A Framework for Inquiry*, p. 250.
(3) John L. Esposito, *The Islamic Threat*, p. 37, 38.
(4) Runciman, S., *A History of the Crusade*, p.54
(5) John L. Esposito, *The Islamic Threat*, p. 38.
(6) Bosworth, CE., 'The Historical Background of Islamic Civilization' in R.M. Savory, ed., *Introduction to Islamic Civilization*, p. 25.
(7) Ira Lapidus, *A History of Islamic Societies*, p. 330.

بالکل مختلف تھا۔ اسلام کے ابتدائی حکمرانوں کی طرح ترک عثمانی کی عیسائیت اور دیگر اقلیتوں کے حوالے سے ریاستی پالیسی بہت ہی لچک دار (flexible) تھی۔ یہی وجہ تھی کہ دنیائے عیسائیت (Christiandom) کے عیسائی بھی یہ کہتے تھے:

Better the turban of the Turk than the tiara of the Pope.[1]

''پوپ کے تکونی تاج سے ترکوں کی پگڑی بہتر ہے۔''

مسلمانوں کے اس حسن سلوک کے باوجود ان کے خلاف یورپ میں منفی پراپیگنڈے کی مہم جاری رہی جس کا ثبوت کروشیا کے مصنف Bartholomew Gregevich کی سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب *Miseries & Tribulations of the Christians held in Tribute and Slavery by the Turks* ہے۔[۲]

یہ امر قابل افسوس ہے کہ جس طرح ماضی میں یورپ کا تصورِ اسلام جہالت پر مبنی تھا وہی تصور آج ان کے باہمی تعلقات کی نوعیت طے کر رہا ہے،[۳] اور آج تک مغرب میں اسلام کے یورپ پر احسانات کا منصفانہ اور حقیقت پسندانہ تجزیہ نہیں ہو سکا اور اگر کہیں آواز بلند بھی ہوئی تو اسے سماعت سلیمہ میسر نہیں آئی۔[۴]

آج اگر مغربی میڈیا میں عربوں کے امیج کو دیکھیں تو وہ عیاش، غافل اور کاہل دولتمندوں کا امیج ہے۔[۵] جسے دورِ حاضر کے تقاضوں کا کوئی احساس و شعور نہیں بلکہ وہ دنیا کو دور تاریکی کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ جب اس طرح کی میڈیا مہم کل وقتی طور پر

(1) Arthur Goldschmidt Jr., *A Concise History of the Middle East*, p. 132.
(2) Paul Coles, The Ottoman Impact on Europe, p. 146-47.
(3) Albert Hourani, *Europe & the Middle East*, p. 10.
(4) Southern, R.W., *Western view of Islam & Middle Ages*, p. 2.
(5) Jack G. Shaheen, *The TV Arab*, p. 4.

جاری ہوگی تو لامحالہ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مغربی دانشور اسلام کو جدید تہذیب و ترقی کا دشمن و قاتل تصور کرنے لگیں گے۔[1] یہی وجہ ہے کہ مغربی دانشوروں نے تمام دہشت گردانہ سرگرمیوں کا ناطہ اسلام اور مسلم دنیا سے جوڑ دیا[2] اور یہ ثابت کرنے پر تل گئے کہ مسلمان ظالم اور وحشی قوم ہیں۔[3]

حالانکہ اسلام کے ارتقاء و عروج میں ایسا کوئی شائبہ تک موجود نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی فروغ کا سبب اس کی حملہ آوری نہیں بلکہ اس کا عظیم سوشل، اخلاقی اور سیاسی نظام تھا۔[4] گو اسلامی افواج کے لوگ عرب قبائل کے غیر تعلیم یافتہ افراد تھے مگر ان کا مطمع نظر کشور کشائی یا دنیاوی مال و متاع نہ تھا بلکہ دنیا کو اسلام کے عطا کردہ عدل و انصاف کا گہوارہ بنانا تھا۔[5] اس بنیادی فلسفہ کے زیرِاثر ترقی پانے والی مملکت کا زمانہ تاریخ انسانی کے تہذیبی و ثقافتی ارتقاء کا سنہری زمانہ تھا۔[6] جو آنے والے ادوار میں مغرب اور دوسری دنیا کے لئے بھی علوم و حکمت کے دروازوں کے کھلنے کا باعث بنا۔[7]

اِسلام کے بارے میں اہلِ مغرب میں پائے جانے والے مخاصمانہ اور متعصّبانہ افکار و نظریات کا اثر ہے کہ ژاک دریدا (Jacques Darrida, 1930-2004)

(1) Edward Saeed, *Covering Islam: How the Media and the Experts Determine, How we see the rest of the World*, p. 51.
(2) Amos Perlmutter, *Islamic Threat is Clear and Present*, Insight on the News, Feb. 15, 1993.
(3) Michael Suleiman, *The Arabs in the Mind of America*, p. 2.
(4) Fred McGraw Donner, *The Early Islamic Conquests*, p. 269.
(5) Bernard G. Weiss and Arnold H. Green, *A Survey of Arab History*, p. 59.
(6) Marshall G S., Hougson, *The Venture of Islam*, vol. 1, p. 235.
(7) John L. Esposito, *The Islamic Threat: Myth or Reality*, p. 32.

جیسے روشن خیال مفکر کا شاگرد فرانسس فوکویاما (Francis Fokoyama) مغربی فکر و عمل اور نظریے کو تاریخ کی معراج قرار دیتے ہوئے اِسلام کو از کار رفتہ نظریہ حیات قرار دیتا ہے:

> The days of Islam's cultural conquests, it would seem, are over. It can win back lapsed adherents, but has no resonance for the young people of Berlin, Tokyo or Moscow.(1)

> ''ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اسلام کی ثقافتی فتح کا زمانہ گزر چکا۔ اب تو یہ صرف کچھ مہمل معتقدوں کو ہی مسخر کر سکتا ہے، اس میں برلن، ٹوکیو اور ماسکو کی نوجوان نسل کے لئے کوئی کشش نہیں رہی۔''

عالم مغرب میں اِسلام کے ابلاغ اور سیرت الرسول ﷺ کے باب میں پائے جانے والی غلط فہمیوں کے ازالے کے لئے ہمہ گیر علمی و فکری کوششیں کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کوششوں کی دو جہتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ اِسلام کے بارے میں منصفانہ موقف رکھنے والے مغربی مصنفین کے موقف کا مطالعہ

۲۔ سیرت الرسول ﷺ کی عقلی اور استدلالی بنیادوں پر تبلیغ

مغربی مفکرین میں ایسے سلیم الفکر لوگ موجود ہیں جنہوں نے اِسلام اور حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کا منصفانہ جائزہ لیا اور حقائق کو کما حقہٗ پیش کیا۔ ایسے مفکرین کی آراء کو اہل مغرب میں عام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اسلام کا مطالعہ صرف متعصب مفکرین ہی کے فکر کے آئینے میں نہ کریں بلکہ غیر جانبدارانہ آراء تک بھی رسائی پا سکیں۔ کیونکہ تاحال اکثر و بیشتر اسلام اور پیغمبرِ اِسلام کو منفی پراپیگنڈہ ہی کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔ منٹگمری واٹ (Watt M. Watt) لکھتا ہے:

(1) Fukuyama F., *The End of History and the Last Man*, pp. 45-6.

Of all the world's great men none has been so much maligned as Muhammad. For centuries Islam was the great enemy of Christianity.[1]

''دنیا کے جملہ عظیم انسانوں میں سے کسی کو تہمت اور بدگوئی کا اتنا نشانہ نہیں بنایا گیا جتنا کہ محمد (ﷺ) کو بنایا گیا۔ صدیوں تک عیسائیت کا سب سے بڑا دشمن اسلام رہا۔''

اب ہم یہاں مغربی مفکرین کی تحریروں سے کچھ اقتباسات دے رہے ہیں جن سے حضورِ اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کے حوالے سے ان کی آراء کا پتہ چلتا ہے:

سر ولیم میور (Sir William Muir) اپنی کتاب *The Life of Mahomet* میں لکھتا ہے:

All authorities agree in ascribing to the youth of Mahomet a modesty of the deportment and purity of manners rare among the people of Mecca.(2)

''تمام اربابِ سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ محمد ﷺ کا عہدِ شباب حیاء و پاکیزگی اور اعلیٰ اخلاقی اَقدار کا حامل تھا جو مکہ کے لوگوں میں بہت کم پائی جاتی تھی۔''

سر ولیم میور (Sir William Muir) مزید لکھتا ہے:

A patriarchal simplicity pervaded his life. His custom was to do everything for himself. He disliked to say no. If unable to answer a petition in the affirmative, he preferred silence. He was not known ever to refuse an invitation to the house even of the meanest, nor to decline a proffered present, however small.. ..He shared his food, even in times of adversity with others, and was sedulously

(1) Watt Montgomery Watt, *Muhammad, Prophet and Statesman*, p. 231.

(2) Sir William Muir, *The Life of Mahomet*, vol. II, p.14.

solicitous for the personal comfort of every one about him A kindly and. benevolent disposition pervades all these illustrations of his character.(1)

’’ایک بزرگانہ سادگی ان کی زندگی پر چھائی ہوئی تھی۔ ہر کام کو اپنے ہاتھ سے کرنا ان کا معمول تھا۔ کسی سوالی کو ’نہ‘ کا جواب دینا انہیں ناپسند تھا۔ اگر کسی کی فریاد کا جواب اثبات میں نہ دے پاتے تو خاموشی کو ترجیح دیتے۔ یہ کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی نے ان کو گھر آنے کی دعوت دی ہو اور انہوں نے انکار کیا ہو۔ خواہ دعوت دینے والا کتنا ہی کم حیثیت اور ادنیٰ درجے کا ہوتا۔ اسی طرح وہ کسی کا تحفہ قبول کرنے سے انکار نہ کرتے خواہ وہ کتنا ادنیٰ کیوں نہ ہوتا۔ مصیبت اور مشکل کے وقت بھی وہ اپنے دسترخوان پر کھانے کے لئے دوسروں کو بلا لیتے۔ وہ انہیں ہم نشینوں میں ہر ایک کے ذاتی آرام کا اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال کر خیال رکھتے۔ ان کی سیرت و کردار کے ہر گوشے میں ایک کریمانہ خوش مزاجی سایہ فگن تھی۔‘‘

لیسی جان سٹون (P. de. Lacy Johnstone) اپنی تصنیف *Muhammad and his Followers* میں لکھتا ہے:

He enjoyed a high character among the citizens and nothing stands against his name.(2)

’’مکہ کے شہریوں میں ان کا کردار اور سیرت ارفع و اعلیٰ تھی اور ان کے نام پر کوئی دھبہ نہ تھا۔‘‘

ایملی ڈرمنگھم (Emile Dermengham) اپنی کتاب *The Life of Muhomet* میں لکھتا ہے:

(1) Sir William Muir, *The Life of Mohammed*, p.512.

(2) P De. Lacy Johnstone, *Muhammad and His Followers*, p. 51.

Mahomet's youth has been chaste.[1]

’’محمد (ﷺ) کی جوانی حیاء و پاکیزگی کے ساتھ بسر ہوئی۔‘‘

Mahomet's house was a model of conjugal happiness and domestic virtues; Khadija made an ideal wife for Mahomet, who was the best of husbands. This man remained faithful to one wife much older than himself for a quarter of a century.[2]

’’محمد (ﷺ) کا گھر ازدواجی سیرت اور گھریلو خوبیوں اور نیکیوں کا مرقع تھا۔ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) محمد (ﷺ) کی مثالی بیوی تھیں اور وہ سب شوہروں سے بہترین شوہر تھے۔ آپ وہ انسان تھے جو چوتھائی صدی تک ایک ہی بیوی کے وفادار رہے جوان سے عمر میں کافی بڑی تھیں۔‘‘

ڈی ایس مرگولیتھ (D.S Margoliouth) اپنی کتاب *Muhammad and Rise of Islam* میں لکھتا ہے:

Ever since the taking of Mecca the prophet had worked as hard as the most industrious of sovereigns, organizing expeditions, giving audience, dispatching ambassadors, dictating letters, besides hearing plaints, administering justice and interpreting law. He worked continuously, allowing himself no day to rest. Always ready to hear and take advice, whatever the subject, he kept all the reins in his own hand: and till his death managed both the external and internal affairs of the vast and ever-growing community which he had founded and of which he was both the spiritual and temporal head. In later times a whole hierarchy of deputies was established

(1) Emile Dermengham, *The Life of Mahomet*, Tr. by Arabella York, p. 52.

(2) Emile Dermengham, *Life of Mahomet*, p. 52.

for the purpose of discharging those duties.[1]

’’مکہ پر اختیار پانے تک پیغمبر (ﷺ) ایک محنتی سرگرم حکمران کی طرح محنتِ شاقہ سے مہمات کو منظّم کرنے، لوگوں سے ملاقات کرنے، ایلچیوں کو روانہ کرنے اور خطوط لکھوانے میں مشغول رہتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ شکایات سنتے، انصاف مہیا کرتے اور شرعی قوانین کی تشریح وتعبیر بھی کرتے تھے۔ آپ مسلسل کام میں لگے رہتے اور دن کے اوقات میں بھی آرام نہ کرتے۔ کوئی بھی مسئلہ ہوتا آپ مشاورت کرنے اور بات سننے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے۔ زمامِ اختیار آپ نے اپنے ہاتھ میں رکھی اور وفات تک وسیع اور روز افزوں کاروبار حکومتِ جس کی بنیاد آپ نے رکھی، کے خارجی اور داخلی معاملات نپٹانے میں مصروف رہے۔ آپ ہی مملکت کے روحانی اور دنیاوی سربراہ تھے۔ آخری زمانے میں ان فرائض کی بجا آوری کے لئے حکومت میں آپ کے نائبین کا نظام قائم کیا گیا۔‘‘

وہ مزید لکھتا ہے:

But amid all the duties of a general, legislator, judge, and diplomat, the prophet did not neglect those of preacher and teacher: his advice was demanded on all possible questions, the occasions were few on which he failed to give it.[2]

’’بحیثیت ایک سپہ سالار، شارع، منصف اور سفارت کار کے ان فرائض کی انجام دہی کے دوران میں آپ کبھی معلم اور مبلغ کی ذمہ داریاں ادا کرنے میں غفلت و تساہل سے کام نہیں لیتے تھے۔ تمام ممکنہ سوالات پر آپ سے مشورہ طلب کیا جاتا اور ایسے مواقع کبھی نہیں آئے جب آپ سے کوئی جواب نہ بن

(1) Margoliouth, D. S., *Mohammad and Rise of Islam*, p.448.
(2) Margoliouth, D. S., *Mohammad and Rise of Islam*, pp. 463-464.

پایا ہو۔"

ڈی ایس مرگولیتھ (Rev. D. S. Margoliouth) حضور نبی اکرم ﷺ کی زندگی کا لفظی مرقع یوں پیش کرتا ہے:

Another of those domestic scenes is somewhat different in character.Abu Bakr and 'Umar knock at the Prophet's doors and at first cannot obtain permission. When they are admitted they find the Prophet seated gloomily silent with his wives around him. They had been asking for household supplies which the Prophet cannot provide. 'Umar, hoping to cheer the Prophet, narrates how his wife had been demanding money, and he had replied by a sound blow on her neck. The Prophet; exploding with laughter, explains that his wives were equally importunate. The two friends wish to try 'Umar's expedient with their respective daughters. This the Prophet does not permit, but he gives his wives the .choice of quitting him if they prefer the present world. A'isha declines the offer, and the others follow suit.(1)

"ان گھریلو مناظر میں سے ایک منظر کچھ مختلف انداز پیش کرتا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ پیغمبر (ﷺ) کے دروازے پر دستک دیتے ہیں اور انہیں پہلے اندر آنے کی اجازت نہیں ملتی۔ جب انہیں اندر آنے کی اجازت مل جاتی ہے تو وہ پیغمبر کو بیویوں کے درمیان خاموش و افسردہ پاتے ہیں وہ گھریلو سامان رسد کی فرمائش کر رہی تھیں جو وہ (پیغمبر ﷺ) انہیں مہیا نہ کر سکے۔ عمر رضی اللہ عنہ پیغمبر ﷺ کو اس افسردہ ماحول سے نکالنے کی امید لئے بیان کرتے ہیں کہ کس طرح ان کی بیوی

(1) Margoliouth, D. S., *Mohammed and the Rise of Islam*, p. 418.

نے کچھ رقم طلب کی تو انہوں نے اس کا جواب گردن پر مکہ مار کردیا۔ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس پر ہنستے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کی بیویاں بھی اس طرح چیزوں کے لئے مسلسل اصرار کرتی رہی ہیں۔ دونوں دوستوں نے اپنی بیٹیوں پر عمر رضی اللہ عنہ کے مصلحت آمیز طریقے کو آزمانا چاہا جس کی پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انہیں اجازت نہ دی۔ لیکن وہ اپنی بیویوں کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ اگر وہ دنیاوی ساز و سامان چاہتی ہیں تو وہ اسے ترجیح دیتے ہوئے انہیں چھوڑ سکتی ہیں۔ عائشہ (رضی اللہ عنہا) اس پیشکش کو ٹھکرا رہی ہیں اور دوسری بیویاں بھی ایسا ہی کرتی ہیں۔‘‘

معروف مغربی مفکر ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) اپنی تصنیف ’’زوالِ سلطنتِ روما‘‘ میں لکھتا ہے:

The good sense of Mohammad despised the pomp of royalty; the apostle of God submitted to the menial offices of the family; he kindled the fire, swept the floor, milked the ewes, and mended with his own hands his shoes and his woolen garment. Disdaining the penance and merit of a hermit, he observed without effect or vanity, the abstemious diet of an Arab soldier. On solemn occasions he feasted his companions with rustic and hospitable plenty. But in his domestic life many weeks would elapse without a fire being kindled on the hearth of the Prophet. The interdiction of wine was confirmed by his example; his hunger was appeased with a sparing allowance of barley bread, he delighted in the taste of milk and honey, but his ordinary food consisted of dates and water.[1]

’’محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اچھی افتادِ طبع شاہانہ شان و شوکت کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔

(1) Edward Gibbon, *The Decline and Fall of the Roman Empire*, vol. 2, p. 694.

خدا کے رسول کو روزمرہ گھریلو کام کرنے میں کوئی عار نہ تھی۔ وہ آگ جلا لیتے، فرش کی صفائی ستھرائی کر کے بکریوں کا دودھ دوہ لیتے اور اپنے ہاتھ سے جوتوں کی مرمت کرتے اور اونی کپڑوں کو پیوند لگا لیتے۔ راہبانہ طرز زندگی کو حقارت سے مسترد کرتے ہوئے بغیر کسی لگی لپٹی اور دکھلاوے کے وہ ایک عرب سپاہی کی طرح سادہ غذا پر گزر بسر کرتے۔ سنجیدہ مواقع پر وہ اپنے ساتھیوں کی تواضع اور مہمان نوازی دیہاتی وافر کھانوں کی ضیافت کے ساتھ کرتے۔ لیکن گھریلو زندگی میں کئی کئی ہفتے گزر جاتے اور پیغمبر (ﷺ) کے گھر چولہے میں آگ نہ جلائی جاتی۔ انہوں نے اپنے ذاتی عمل سے امتناعِ شراب کی تصدیق کی۔ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے اور اپنی بھوک جو کی روٹی سے مٹاتے، شہد اور دودھ سے لطف اندوز ہوتے لیکن ان کی معمول کی خوراک کھجور اور پانی پر مشتمل تھی۔‘‘

جرمن مفکر گوسٹاویل (Gustav Weil) اپنی تصنیف *History of the Islamic Peoples* میں لکھتا ہے:

> Mohammad set a shining example to his people. His character was pure and stainless. His house, his dress, his food, these were characterized by a rare simplicity.(1)

’’محمد (ﷺ) نے اپنے لوگوں کے لئے ایک تابندہ مثال قائم کی۔ ان کا کردار پاکیزہ اور بے داغ تھا۔ ان کا گھر، مکان اور غذا سب میں فقید المثال سادگی جھلکتی تھی۔‘‘

ایڈورڈ فری مین (Edward Freeman) حضور نبی اکرم ﷺ کی زندگی کا نقشہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> He reared no palace for his own honour by the side of the temple which he recovered to the honour of God.

(1) Gustav Weil, *History of the Islamic Peoples*, (Tr. by S. Khuda Bakhsh), p. 27.

The city of his fathers, the metropolis of his race, the shrine of his religion, was again deserted for his own humble dwellings among those who had stood by him in the days of his trial. Muhammad was now spiritual and temporal ruler.(1)

''انہوں نے عبادت گاہ (مسجد نبوی) کے پہلو میں جہاں وہ خدا کی تقدیس بیان کرتے تھے اپنے جاہ وجلال کے لئے کوئی محل تعمیر نہ کیا۔ ان کے آبا واجداد کا شہر (مکہ)، جو اُن کے خاندان کا ام البلاد اور مذہب کا مرکز تھا، اُن کے لئے ان دوستوں کے درمیان رہنے کے لئے جنہوں نے آزمائش کے وقت ان کا ساتھ دیا تھا دوبارہ مسخر ہوگیا۔ اب محمد ﷺ روحانی اور دنیاوی اعتبار سے حکمران تھے۔''

انسائیکلوپیڈیا امریکانہ (Encyclopedia Americana) میں حضورِ نبی اکرم ﷺ کی زندگی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا گیا:

His Personality was strong and dominant, but his domestic life was as simple as his frugality at meals. He was kind and generous, a tender father and a loyal friend. Even at the height of his power he lived in a miserable hut, slept upon straw and his pillow was made of palm-leaves covered with leather.(2)

''ان کی شخصیت مضبوط، توانا اور بہمہ اعتبار سب پر حاوی تھی۔ لیکن ان کی گھریلو زندگی اتنی ہی سادہ تھی جتنی کفایت شعاری وہ اپنی خوراک میں اختیار کئے ہوئے تھے۔ وہ سخی، رحمدل، شفیق باپ اور ایک وفادار دوست تھے۔ اپنے اختیار و اقتدار کے بامِ عروج پر ہوتے ہوئے بھی وہ ایک ادنی کٹیا میں گزر بسر کرتے۔ بوریا پر خواب استراحت فرماتے اور ان کا سرہانہ کھجور کے پتوں کا بنا ہوتا جس پر چمڑا

(1) Edward A. Freeman, *History and Conquests of the Saracens*, p. 36-37.
(2) *The Encyclopedia Americana*, 1947 Edition, vol. 19, p. 294.

چڑھایا گیا تھا۔‘‘

چارلس ملز (Charles Mills) اپنی تصنیف *History of Muhammedanism* میں لکھتا ہے:

In the possession of the kind and generous affections of the heart, and in the performance of most of the social and domestic duties, he disgraced not his assumed title of apostle of God. With that simplicity which is so natural to a great mind, he performed the humblest offices whose homeliness it would be idle to conceal in the pomp of diction; even while lord of Arabia, he mended his own shoes and coarse woolen garment, milked the ewes, swept the hearth, and kindled his fire. Dates and water were his usual fare and milk and honey his luxuries, when he traveled, he divided his morsel with his servant. The sincerity of his exhortations to benevolence was testified at his death by the exhausted state of his coffers.[1]

’’ان کا دل فیاضانہ شفقتوں اور مہربانیوں کا گہوارہ تھا۔ اپنے معاشرتی اور خانگی فرائض کو انجام دیتے ہوئے وہ رسول خدا کے منصب پر حرف نہ آنے دیتے۔ مزاج کی اس سادگی سے جو فطرت کے خمیر سے پھوٹتی ہوئی اعلیٰ دماغی کی مظہر ہے، وہ ادنیٰ سے ادنیٰ کام کرنے سے بھی عار نہ کھاتے۔ ان کا طرزِ تکلم خود نمائی سے عاری تھا۔ اس وقت بھی جب وہ خطۂ عرب کے مالک تھے وہ اپنے جوتے اور موٹے اونی لباس کی خود مرمت کرتے۔ بکریوں کا دودھ دوہتے، گھر کے فرش کی جھاڑ پونجھ کرتے اور آگ جلاتے تھے۔ کھجوریں اور پانی ان کی معمول کی غذا تھی۔ شہد اور دودھ ان کے لئے سامانِ تعیش تھا جب وہ سفر پر ہوتے تو وہ خادم کو اپنے ساتھ شریک طعام کر لیتے۔ ان کی پند و موعظت کے

(1) Charles Mills, *History of Mohammedanism*, p. 39.

اخلاص اور کریم النفسی کی تصدیق ان کی وفات پر ان کے جمع کردہ پونجی کی بے سروسامانی سے ہوتی ہے۔‘‘

ول ڈیورانٹ (Will Durant) اپنی تصنیف *The Age of Faith* میں لکھتا ہے:

> His simple foods were dates and barley bread, milk and honey were occasional luxuries… Courteous to the great, affable to the humble, Dignified to the presumptuous, indulgent to his aides, kindly to all but his foes - so his friends and followers describe him. He visited the sick and joined any funeral procession that he met. He put on none of the pomp of powers, rejected any special mark of reverence, accepted the invitation of a slave to dinner, and asked no service of a slave that he had time and strength to do for himself. Despite all the booty and revenue that came to him, he spent little upon his family, less upon himself, much in charity.(1)

’’ان کی سادہ غذا کھجوروں اور جو کی روٹی پر مشتمل تھی۔ دودھ اور شہد کا استعمال خاص موقعوں پر ہوتا تھا۔ بڑوں سے خندہ پیشانی اور چھوٹوں سے عاجزی اور انکساری سے پیش آتے، متکبر اور امیر کبیر لوگوں سے پروقار متانت کا مظاہرہ کرتے اور خدام سے درگزر کرتے۔ وہ اپنے پرائے دوست دشمن سب پر مہربان تھے۔ وہ بیماروں کی عیادت کرتے، جنازہ چاہے کسی کا بھی ہوتا اس میں شریک ہوتے، ان میں اقتدار واختیار کی ذرہ بھر خو بو نہیں تھی۔ اپنے لئے کسی قسم کا امتیاز اور تفوق و برتری پسند نہیں کرتے تھے۔ غلام بھی کھانے کی دعوت دیتا تو اسے قبول کر لیتے اور غلام سے بھی وہ کام کرنے کو نہ کہتے جسے کرنے کے لئے ان کے پاس ہمت اور وقت ہوتا۔ مال غنیمت اور آمدنی جو باہر سے وصول ہوتی اسے اپنے

(1) Will Durant, *The Age of Faith*, p. 173.

گھر والوں پر خرچ نہ کرتے اور اسے اپنی ذات پر خرچ کرنے کی بجائے صدقہ و خیرات میں دے دیتے۔‘‘

سر جان گلب (Sir John Glubb) اپنی کتاب *The Empire of Arabs* میں لکھتا ہے:

The Prophet never accumulated wealth nor even made use of the most elementary comforts. His food, his clothing, his house and its furnishings were simple in the extreme, even when ample money was available if he had been interested in it.[1]

’’پیغمبر (ﷺ) کبھی مال جمع نہ کرتے اور نہ ہی انتہائی معمولی آرام و آسائش کا سامان استعمال میں لاتے۔ ان کے گھر کا ساز و سامان انتہائی سادہ ہوتا اور اگر رقم کافی مقدار میں آجاتی تب بھی انہیں اس میں کوئی دلچسپی نہ ہوتی۔‘‘

برٹریم تھامس (Bertram Thomas) اپنی تصنیف *The Arabs* میں لکھتا ہے:

He was a man without pride, without ostentation, without cant, not a mealy-mouthed man but a strong just man, and works that he died in debt, some of his belongings in pawn with a Jew-among them his only shield for which he obtained three measures of meal. Mohammed despised pomp and lived an utterly simple life...... He lived in great humility, performing the most menial tasks with his own hands; he kindled the fire, swept the floor, milked the ewes, patched his own garments, and cobbled his own shoes. There was an essential Puritanism in his system.[2]

(1) Sir John Glubb, *The Empire of the Arabs* , p. 54.

(2) Bertram Thomas, *The Arabs*, p. 65-66.

’’بحیثیت انسان ان میں غرور ورعونت اور نام ونمود نام کو بھی نہیں تھا۔ ریا کاری اور دکھاوا ان کو چھو کر بھی نہیں گزارا تھا۔ وہ ہرگز چرب زبان نہیں تھے بلکہ ایک مضبوط اور انصاف پرور انسان تھے۔ وہ وصال کے وقت مقروض تھے اور ان کا کچھ سامان ایک یہودی کے پاس گروی رکھا ہوا تھا۔ ان کے پاس اتنا سامان تھا جس سے وہ تن و جاں کا رشتہ برقرار رکھ سکتے تھے۔ محمد (ﷺ) کو نمود و نمائش سے نفرت تھی وہ حد درجہ سادہ زندگی بسر کرتے جو عجز و خاکساری کا مرقع تھی۔ انہیں اپنے ہاتھوں معمولی سے معمولی کام کرنے میں بھی عار نہیں تھا۔ آگ جلاتے، فرش کی جھاڑ پونچھ کر لیتے، بکریوں کا دودھ دوہتے، اپنے لباس میں پیوند لگا لیتے اور جوتوں کی مرمت کر لیتے۔ ان کے رہن سہن کا تمام تر نظام پاکیزگی سے عبارت تھا۔‘‘

جے جے سانڈرز (J. J. Saunders) حضورِ نبی اکرم ﷺ کی شخصی زندگی کے بارے میں بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

....his habits were so simple that even in the last days in Medina, when he governed Arabia, he mended his own clothes and cobbled his own shoes. His piety was sincere and unaffected.(1)

’’ان کی عادات اتنی سادہ تھیں کہ مدینہ کے آخری ایام میں بھی جب وہ عرب کے حکمران تھے وہ اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگاتے اور جوتوں کو مرمت خود کر لیتے تھے۔ ان کی پارسائی اور تقویٰ میں نام کو بھی بناوٹ نہیں تھی۔‘‘

فلپ کے ہٹی (Philip K. Hitti) اپنی تصنیف *History of the Arabs* میں لکھتا ہے:

Even in the height of his glory Muhammad led, as in his days of obscurity, an unpretentious life in one of

(1) Saunders, J. J., *History of Medieval Islam*, p. 34.

those clay houses as do all old-fashioned houses of present- day Arabia and Syria. He was often seen mending his own clothes and was at all times within the reach of his people. The little he left he regarded it as state property.(1)

’’اپنی عظمت کے دور عروج میں بھی محمد (ﷺ) اسی طرح زندگی بسر کرتے جس طرح وہ بے سروسامانی اور گمنامی کے زمانے میں بسر کرتے تھے۔ مٹی کے لیپے ہوئے گھر میں ایسی زندگی جو شان و شوکت اور نمود و نمائش سے عاری تھی۔ جس کٹیا میں رہتے اس کا موازنہ آج کے عرب اور شام کے قدیم طرز کے جھونپڑوں سے کیا جاسکتا ہے انہیں اکثر اپنے کپڑے کو آپ پیوند لگاتے دیکھا گیا۔ وہ ہمہ وقت لوگوں میں گھل مل کر رہتے تھے۔ جو کچھ قلیل سامان ان کے پاس تھا اسے وہ ریاست کی ملکیت تصور کرتے تھے۔‘‘

متعصب عیسائی پادری ولسن کیش (W. Wilson Cash) اپنی تصنیف *The Expansion of Islam* میں لکھتا ہے:

His life was very simple and primitive. He never assumed the garb of an eastern potentate. He was always accessible to his followers.(2

’’ان کی زندگی انتہائی سادہ اور بے تصنع تھی۔ وہ کبھی بھی مشرقی حاکم اعلیٰ کا لباس زیب تن نہ کرتے۔ ان تک ہمیشہ ان کے پیروکاروں کی رسائی رہتی تھی۔‘‘

بودلے (R.V.C. Bodley) حضور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں لکھتے ہوئے بیان کرتا ہے:

To an American or English or Japanese Muslim, Mohammed's life suggests something primitive, something in the order of an anchorite. It is as

(1) Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, p. 120.

(2) Wilson Cash, W., *The Expansion of Islam*, p. 14.

unimaginable as that of Jesus to the average Christian.(1)

''ایک امریکی، انگریز یا جاپانی مسلمان کے نزدیک محمد (ﷺ) کی زندگی میں سادگی اور گوشہ نشینی کا رنگ جھلکتا تھا یہ اتنا ہی ماورائے تصور ہے جتنا ایک اوسط درجے کے عیسائی کی نظر میں یسوع مسیح کی ذات کا تصور ابھرتا ہے۔''

مغربی اہل قلم سے چند نمایاں مصنفین کی تحریروں کے متذکرہ بالا اقتباسات اس امر کو واضح کرتے ہیں کہ اگر حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ غیر جانبداری اور دیانت داری سے کیا جائے، چاہے مطالعہ کرنے والا کسی بھی خطے، مذہب یا نظریے سے تعلق رکھتا ہو اس کا حاصل اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اسوۂ حسنہ ہی انسانیت کے لئے ابدی نمونہ کامل ہوسکتی ہے۔ اگر ہم ان تمام جہات کا احاطہ کرتے ہوئے سیرت الرسول ﷺ کا پیغام عالمِ انسانیت تک پہنچانے کی سعی کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ دُنیا بھر میں سلیم الفکر رکھنے والے لوگ اِسلام کے اصل چہرے سے آشنا نہ ہوں۔

عالمی سطح پر سیرت کے مؤثر ابلاغ کے منہج کی دوسری جہت انسانیت کے لئے سیرت الرسول ﷺ کی ناگزیریت کواستدلال اور مضبوط عملی بنیادوں پر بیان کرنا ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب دورِ حاضر میں عالمِ انسانیت کو درپیش مسائل کا حل سیرت سے دیا جائے اور دلائل و براہین سے اس امر کو ثابت کر دیا جائے کہ سیرت الرسول ﷺ سے بہتر نمونۂ حیات نوعِ اِنسانی کو کبھی بھی میسر نہیں آ سکتا۔

مطالعۂ سیرۃُ الرسول ﷺ کے بنیادی اُصول

مؤثر استدلال اور مضبوط و منظّم علمی بنیادوں پر سیرت الرسول ﷺ کے فہم و ابلاغ کے لئے ضروری ہے کہ دورِ حاضر کے درپیش مسائل اور تقاضوں کو پیش نظر رکھتے

(1) Bodley ,R.V.C., *The Messenger: The Life of Mohammed*, p. 195.

ہوئے سیرت الرسول ﷺ کے مطالعہ کے ایسے اُصول طے کئے جائیں جو سیرت کے منظّم اور مربوط فہم میں معاون ثابت ہوں۔

جب سے علوم کی ترتیب و تدوین کا مرحلہ شروع ہوا تمام علوم بشمول تفسیر، حدیث اور فقہ کی ترتیب و تدوین کے لئے اہل علم نے کئی اُصول طے کئے جن کی روشنی میں ان علوم کی ثقاہت کو نہ صرف پرکھا گیا بلکہ اُنہیں منظّم و مرتب بھی کیا گیا۔ لیکن سیرت الرسول ﷺ کے مطالعہ اور تفہیم کے لئے تاحال کوئی واضح اُصول مرتب نہیں کئے گئے۔ دورِ حاضر میں جبکہ ملتِ اِسلامیہ کی انفرادی و اجتماعی اور بین الاقوامی زندگی کو سیرت کے ساتھ مربوط کرنے کی ضرورت اور تقاضے پہلے زمانے سے کہیں زیادہ بڑھ چکے ہیں، اس امر کی ضرورت ہے کہ مطالعہ سیرت کے لئے مؤثر اور جامع ضابطوں کا تعین کیا جائے۔ اس ذیل میں یہاں کچھ اُصول بیان کئے جاتے ہیں:

۱۔ سیرت کا بطور وحدت فہم اور تفہیم

۲۔ فکر وعمل کے بحران میں سیرت سے رہنمائی

۳۔ سیرت الرسول ﷺ کی روشنی میں قرآنی تعلیمات کی توضیح

۴۔ عصری مسائل کے حل کے لئے سیرت کا اطلاقی مطالعہ

۵۔ سیرت الرسول ﷺ کی روشنی میں توازن اجتماعی کا حصول

۶۔ سیرت الرسول ﷺ کا بطور رسولِ اِنسانیت مطالعہ

۷۔ فہم کمال سیرت میں عقل اِنسانی کی نارسائی کا اعتراف

اب ذیل میں ان کی وضاحت کی جاتی ہے:

۱۔ سیرت کی بطور وحدت فہم اور تفہیم

سیرت الرسول ﷺ کا مطالعہ بطور ایک وحدت کے کیا جائے۔ یعنی سیرت

کے روحانی، جمالیاتی، احکامی اور اطلاقی پہلوؤں کو ایک دوسرے سے الگ کرکے نہ دیکھا جائے بلکہ اُنہیں بطور ایک وحدت کے سمجھنے اور اختیار کرنے کی سعی کی جائے۔ کیونکہ یہی وہ جامع منہج ہے جس کے ذریعے سے نہ صرف سیرت سے ہم آہنگی اور جامع تعلق پیدا ہو سکتا ہے بلکہ اس تعلق کی تاثیر عملی زندگی میں محسوس ہوسکتی ہے۔ اس کی ایک بڑی نظیر غزوۂ تبوک میں صحابۂ کرام کی طرف سے پیش کی جانے والی قربانیوں کا واقعہ ہے۔ جب حضورِ نبی اکرم ﷺ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر تمام صحابہ کرام کو قربانی کی تلقین کی تو ہر ایک حسبِ استطاعت اس غزوہ میں اپنا حصہ ڈالنے لگا۔لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عمل اتنا بے نظیر و بے مثال تھا کہ وہ تاابد قربانی و ایثار کا استعارہ بن گیا۔اگرچہ کئی صحابۂ کرام نے سینکڑوں اور ہزاروں درہم و دینار کی شکل میں قربانی پیش کی اور ان کے مقابل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے پیش کئے جانے والے اثاثے شاید ظاہری لحاظ سے اس مقدار و معیار کے نہ تھے لیکن حضورِ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ روحانی اور قلبی وابستگی کا اثر تھا کہ آپ نے اپنے گھر کے تمام اثاثے آپ ﷺ کی بارگاہ میں نچھاور کر دیئے۔ جس سے اس غزوہ کی تیاری میں ایمانی تاثیر کا وہ عالم پیدا ہوا جو نہ صرف خوشنودی پیغمبر ﷺ اور خوشنودیٔ خدا کا باعث ہوا بلکہ اس غزوہ کی فتح کا سبب بھی بنا۔ گویا انفرادی اور اجتماعی زندگی میں حصولِ منزل کے لئے ظاہری اسباب کے ساتھ ساتھ نادیدہ اسباب کے حصول اور تائید میسر آنے کا واحد راستہ سیرت الرسول ﷺ کے ساتھ ایسا ہمہ گیر تعلق ہے جس میں اخلاقی، روحانی، عملی اور احکامی پہلوؤں میں سے کوئی بھی نظر انداز نہ کیا گیا ہو۔

۲۔فکر و عمل کے بحران میں سیرت سے رہنمائی

فکر و عمل کے بحران کے حل کے لئے سیرت سے راہنمائی حاصل کی جائے۔ دورِ حاضر میں جبکہ زندگی فکری اور عملی سطح پر کئی جہات میں ارتقاء پذیر ہے، لگے بندھے فکری اور عملی ضابطے نہ صرف یہ کہ دورِ حاضر کی فکری اور علمی ترقی کے ساتھ میل نہیں کھاتے بلکہ اس کا ساتھ دینے سے بھی قاصر ہیں۔ آج ہمیں ایک ہمہ گیر فکری تبدیلی

(Par adigme shift) کی ضرورت ہے۔ اور ایک صحت مندانہ فکری تبدیلی (Paradigm shift) اسی وقت ممکن ہے جب ہم فکر و عمل کے باب میں راہنمائی براہِ راست سیرت الرسول ﷺ سے حاصل کریں۔

۳۔ سیرت الرسول ﷺ کی روشنی میں قرآنی تعلیمات کی توضیح

قرآنی تعلیمات کو سیرت الرسول ﷺ کے تناظر میں سمجھنے کی سعی کی جائے۔ سیرت الرسول ﷺ سے ہٹ کر قرآنِ حکیم کا فہم صرف تلقین اور تحکیم تک ہی محدود رہتا ہے جبکہ اس کے اطلاق اور تنفیذ کی سبیل اور راستے اسی وقت میسر آسکتے ہیں جب ہم قرآنِ حکیم کی آیات اور تعلیمات کو سیرت الرسول ﷺ میں موجود واقعات کے ساتھ مربوط کرکے سمجھنے اور ان کا فہم حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ مثلاً سورۂ توبہ میں غزوۂ تبوک کا جابجا بیان ہوا ہے۔ غزوۂ تبوک کن حالات میں وقوع پذیر ہوا؟ اس موقع پر مسلمانوں کی راہ میں کیا رکاوٹیں حائل تھیں؟ اس نازک مرحلے پر اِسلام کو اندرون اور بیرون ریاست کون کون سی سازشیں درپیش تھیں اور ان سازشوں کا قلع قمع کس طرح کیا گیا؟ ان سب سوالات کے جوابات ان آیاتِ مبارکہ کو سیرت کی روشنی میں سمجھنے سے ملتے ہیں۔ مثلاً قرآنِ حکیم میں مخالفینِ اِسلام کی سازشوں کا ذِکر کرتے ہوئے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ۝(۱)

”درحقیقت وہ پہلے بھی فتنہ پردازی میں کوشاں رہے ہیں اور آپ کے کام الٹ پلٹ کرنے کی تدبیریں کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آ پہنچا اور اللہ کا حکم غالب ہوگیا اور وہ (اسے) ناپسند ہی کرتے رہے۝“

اس آیت میں مذکور الفاظ وقلبوا لك الامور ان تمام سازشوں کا احاطہ کرتے ہیں جو اِسلام اور حضورِ نبی اکرم ﷺ کے خلاف کفار اور منافقین کی طرف سے کی گئیں۔

(۱) القرآن، التوبة، ۹: ۴۸

ان سازشوں کا قلع قمع کس طرح ہوا؟ تائیدِ ایزدی اور بصیرتِ نبوی ﷺ کس طرح پہلو بہ پہلو کام کرتے ہوئے اِسلام کو کامیابی کی طرف لے گئی! ان اُمور کا احاطہ اسی صورت میں ممکن ہے جب ان آیات کو ان کے مقابل موجود سیرت کے واقعات کے ساتھ مربوط کر کے سمجھا جائے۔

۴۔ عصری مسائل کے حل کے لئے سیرت کا اِطلاقی مطالعہ

عصری مسائل کے حل کے لئے سیرت الرسول ﷺ کا اطلاقی مطالعہ متعارف کرانے کی ضرورت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے پاس موجودہ صدیوں کے علمی ذخیرے میں فہمِ اسلام کے باب میں وافر سرمایہ موجود ہے۔ لیکن اس تمام علمی سرمائے میں اقداری ربط و ترتیب (Axiological Systematization) کا فقدان ہے۔ یعنی سیرت میں مذکور واقعات کا اپنے وقوعی زمان و مکاں کے تناظر میں ذکر اور اس کا دورِ حاضر کے زماں و مکاں کے تناظر میں اطلاق اور ربط، یہ وہ خلا ہے جسے پر کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر ہم سیرت کی اصل معنویت تک رسائی نہیں پا سکتے۔ قرآن حکیم کے نزول کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ہر آیت کا نزول کسی نہ کسی واقعے اور کسی نہ کسی سبب کے نتیجے میں ہوتا رہا۔ وہ واقعہ اور وہ سبب ایک مخصوص زماں و مکاں کے اندر محدود تھا مگر اس کے نتیجے میں اُترنے والی آیات کی اہمیت ابدی اور لامحدود ہے۔ اس لامحدود اور محدود کے ربط (Association of Infinite & Finite) کی دریافت ہی ہمیں دورِ حاضر میں قرآنِ حکیم کی تعلیمات کی مؤثریت کی منزل پر لاسکتی ہے۔ یہ سیرت کے اطلاقی مطالعہ کی منہج کی دریافت کے بغیر ممکن نہیں۔

۵۔ سیرت الرسول ﷺ کی روشنی میں توازنِ اِجتماعی کا حصول

اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ کو اُمتِ وسط بنا کر بھیجا ہے۔ سیرت الرسول ﷺ کے مطالعہ کے ذریعے سے زندگی کے ہمہ گیر توازن کی تلاش کو ممکن بنانے کی ضرورت ہے۔ یعنی عقیدہ و عمل کا توازن، دُنیا و آخرت کا توازن، اخلاقی و مادی تقاضوں کا توازن،

روحانیت و مادیت کا توازن، استدلال اور محبت کا توازن الغرض کہ زندگی کے ہر دائرے میں ایک ہمہ گیر اور قابلِ عمل توازن کی یافت ہی اُمتِ مسلمہ کو اُمت وسط کے منصب پر فائز کرسکتی ہے اور یہ صرف سیرت سے عملی اور زندہ تعلق سے ہی ممکن ہے۔

۶۔ سیرت الرسول ﷺ کا بطور رسولِ اِنسانیت مطالعہ

سیرت الرسول ﷺ کو انسانیت کی ضرورت کے طور پر پیش کیا جائے۔ تاکہ حضورِ نبی اکرم ﷺ رسولِ اسلام کی بجائے رسول انسانیت کے طور پر دُنیا میں متعارف ہوں۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم سیرت الرسول ﷺ کو انسانی فلاح کے لئے ناگزیر سرچشمہِ ہدایت کے طور پر پیش کریں اور زندگی کے ہر شعبے میں ارتقاء کی بنیادوں کو جو فی الحقیقت تاریخی طور پر سیرت الرسول ﷺ سے ہی میسر آئی ہیں، نمایاں کریں۔ دلائل کی قوت اور براہین کی طاقت سے اس امر کو عالمِ انسانیت کے سامنے واضح کیا جائے کہ آج بھی بنی نوع اِنسان کو سیرت الرسول ﷺ سے راہنمائی کی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے دورِ ظلمت سے نکلنے کے لئے سیرت الرسول ﷺ نے انسانیت کی دستگیری کی تھی۔

۷۔ فہم کمالِ سیرت میں عقل اِنسانی کی نارسائی کا اعتراف

سیرت الرسول ﷺ کے بیان کے باب میں ایک انتہائی اہم اُصول ہمہ وقت فہمِ انسانی کی نارسائی کا اعتراف ہے۔ جب سیرت الرسول ﷺ کے حالات اور واقعات کو انسان کے محدود عقلی اور فکری چوکھٹے میں بند کر کے دیکھا جاتا ہے، وہیں سے عقیدہ، فکر اور عمل کے باب میں گمراہی کا دروازہ کھلتا ہے۔ لہٰذا سیرت الرسول ﷺ کی ان توضیحات اور تفصیلات کے باب میں جہاں کسی بھی علمی یا فکری لغزش کا احتمال موجود ہو انسانی فہم کی نارسائی کبھی بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونی چاہیے۔ اگر اس اُصول کو سیرت الرسول ﷺ کے فہم میں مستقل ضابطے کے طور پر اختیار کر لیا جائے تو سیرت الرسول ﷺ کے

بے شمار واقعات ...... مثلاً **أنتم أعلم بأمور دنیاکم**[۱] ...... کے بیان اور تفصیل و توضیح میں کبھی بھی عقیدہ، فکر یا عمل کی لغزش کا ارتکاب نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہمہ وقت **أیکم مثلی إنی لست مثلکم** اور **لست کھیئتکم** کا ضابطہ سیرت الرسول ﷺ کو سمجھنے اور بیان کرنے والے کے پیشِ نظر رہے گا۔[۲]

مطالعہ سیرت کے باب میں مذکورہ بالا اصولوں کے استحضار سے نہ صرف زندگی کے تمام شعبوں میں سیرت سے رہنمائی اخذ کی جا سکتی ہے بلکہ دور حاضر میں سیرت الرسول ﷺ کے مطالعہ سیرت ست وابستگی کی ناگزیریت بھی واضح ہوسکتی ہے اس طرح انفرادی اور اجتماعی معاشرے کو سیرت کے نمونے پر ڈہالنے کے ساتھ ساتھ اسلام کی حقانیت پر ایمان وایقان کے استحکام کا سامان بھی کیا جا سکتا ہے۔

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب وجوب الامتثال ما قاله شرعا، ۴: ۱۸۳۶، رقم: ۲۳۶۳

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب الوصال ومن قال لیس فی الیل، ۲: ۶۹۳، رقم: ۱۸۶۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب النہی عن الوصال، ۲: ۷۷۴، رقم: ۱۱۰۲

مآخذ و مراجع

۱۔ **القرآن الحکیم۔**

۲۔ **اقبال،** علامہ محمد (۱۸۷۷۔۱۹۳۸ء)۔ **کلیات (اُردو)۔** لاہور، پاکستان: شیخ غلام نبی اینڈ سنز، ۱۹۸۹ء۔

۳۔ **اقبال،** علامہ محمد (۱۸۷۷۔۱۹۳۸ء)۔ **کلیات (فارسی)۔** لاہور، پاکستان: شیخ غلام نبی اینڈ سنز، ۱۹۸۵ء۔

۴۔ **بخاری،** ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔

۵۔ **مسلم،** ابن الحجاج قشیری (۲۰۶۔۲۶۱ھ/۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

6. Albert Hourani, *Europe and the Middle East*, University of California Press, Berkeley, 1980.

7. Amos Perlmutter, *Islamic Threat is Clear and Present*, Insight on the News, Feb. 15, 1993.

8. Arthur Goldschmidt Jr., *A Concise History of the Middle East*, 3rd ed., Westview Press, Boulder, 1908.

9. Bertram Thomas, *The Arabs*, London, 1937.

10. Bodley, R.V.C., The Messenger: The Life of Mohammed, Orientalia, Lahore, 1954.

11. Bosworth, CE., *'The Historical Background of Islamic*

Civilization' in R.M. Savory, ed., *'Introduction to Islamic Civilization'*, CUP, NY, 1980.

12. David Marquand, Ronald L. Nettler, *Religion and Democracy*, Blackwell Publishers, 108-Cowley Road, Oxford, OX4 1JF, UK, 2000.

13. p De. Lacy Johnstone, P., *Muhammad and His Followers*, T&T Clark, Edinburgh, 1901.

14. Edward A. Freeman, *History and Conquests of the Saracens*, Macmillan, Second Edition, London, 1876.

15. Edward Gibbon, *The Decline and Fall of the Roman Empire*, Penguin Books Ltd., 80 Strand, London WC2R 0RL, England, 1995.

16. Edward Saeed, *Covering Islam: How the Media and the Experts Determine*, How we see the rest of the World, Pantheon Books, NY, 1981.

17. Emile Dermengham, *The Life of Mahomet*, Translated by Arabella York, George Routledge & Sons, London, 1930.

18. Fred McGraw Donner, *The Early Islamic Conquests*, Princeton University Press, 1981.

19. Fukuyama F., *The End of History and the Last Man*, Hamish Hamilton, London, 1992.

20. Gustav Weil, *History of the Islamic Peoples*, (translation by S. Khuda Bakhsh), University of Calcutta, 1914.

21. Hamilton A. R. Gibb, *Mohammedanism: An Historical Survey*, Oxford University Press, 1970 .

22. Ira Lapidus, *A History of Islamic Societies*, CUP, NY, 1988.

23. Jack G. Shaheen, *The TV Arab*, Bowling Green University Popular Press, Ohio, 1984.

24. John L. Esposito, *The Islamic Threat: Myth or Reality*, OUP, NY, 1999.

25. Margoliouth D. S., *Mohammed and the Rise of Islam*, New York, London, 1905.

26. Marshall G S., Hougson, *The Venture of Islam*, 3 Vols, Chicago University Press, Chicago, 1974.

27. Maxime Rodinson, *The Western Image & Western Studies of Islam* in Joseph Schacht & C. E. Bosworth, eds., The Legacy of Islam, OUP, Oxford, 1974.

28. Michael Suleiman, *The Arabs in the Mind of America*, Amana Books, Brattleboro, 1988.

29. Paul Coles, *The Ottoman Impact on Europe*, Brace & World, NY, 1968.

30. Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, London, 1951.

31. Ronald Inglehart, Pippa Norris, *Sacred and Secular: Religion and Politics Worldwide*, CUP, The Pitt Building, Trumpington, Street, Cambridge, UK, 2005.

32. Runciman, S., *A History of the Crusade*, CUP, Cambridge, 1951-54.

33. Saunders, J.J., *History of Medieval Islam*, London, 1965.

34. Southern R.W., *Western Views of Islam and the Middle Ages*, Harvard University Press, 1962.

35. Stephen Humphreys, R., *Islamic History: A Framework for Inquiry*, Bibliotheca Islamic, Minneapolis, 1988.

36. *The Encyclopedia Americana*, 1947 Edition.

37. Watt Montgomery Watt, Muhammad, *Prophet and Statesman*, OUP, 1961.

38. Will Durant, *The Age of Faith: A History of Medieval Civilization Christian*, Islamic, and Judaic--from

Constantine to Dante: A.D. 325-1300, Simon & Schuster, NY, 1950.

39. William Muir, Sir, *The Life of Mohammed*, (Weir's edition), Edinburgh, 1923.

40. Wilson Cash, W., *The Expansion of Islam*, London, 1940.